میرا لاہور



ABDULLAH UMAR

عبداللہ عمر

میرا لاہور

مصنف

عبداللہ عمر

مقدمہ

میرا نام عبداللہ عمر ہے یہ میری زندگی کا پہلا کتابچہ ہے متعدد موضوعات پر غور وفکر کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اپنے آبائی شہر اور اپنے پسندیدہ شہر لاہور کے اوپر ایک کتابچہ لکھوں میری لاہور سے محبت اتنی ہے کہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا آج سے کچھ عرصہ قبل میرے ماں باپ نے مجھے ایک آفر دی کہ تم دبئی چلے جاؤ اور کاروبار کرو لیکن میں نے کہا کہ آپ پاکستان چھوڑنے کی بات کرتے ہیں میں تو لاہور نہ چھوڑوں پاکستان تو بہت دور کی بات ہے لاہور کو ایک عظیم مقبولیت پوری دنیا میں حاصل ہے لاہور کی تاریخ ہزار سال کی ہے جس میں متعدد اقوام اور بادشاہوں نے یہاں حکومت کی ہے لاہور ہر لحاظ سے مقبول ہے چاہے وہ تعلیم کا میدان ہو یا صحت کا یا تجارت کا یا ثقافت کا یا کھانے پینے کا یا چاہے کھیل کا میدان کیوں نہ ہو لاہور ہر لحاظ سے مشہور ہے اس کتابچے میں 10 باب ہے جس میں میں کوشش کروں گا ہر چیز کا تذکرہ کروں جس کا مجھے علم ہے اور میں اس سے واقف ہوں اس کتابچے میں لاہور کی تاریخ لاہور کے 12 دروازے مغلوں کا راج لاہور باغوں کا شہر اور دیگر چیزوں پر آپ کو گفتگو نظر آئے گی اس کتابچے کو لکھنے میں میں کہیں چیزوں سے مدد لوں گا جیسے انٹرنیٹ وولٹ سٹی آف لاہور اتھارٹی کی ان مشہور جگہوں کی ہسٹری اور مشہور مقامات کو خود وزٹ کر کے آپ تک ان جگہوں کی بارے میں معلومات دوں گا اس کتابچے کو لکھنے میں میری دادی نے بھی مجھے بہت مدد کی ہے انشاءاللہ اُمید ہے قارئین کو یہ کتابچہ بہت پسند آئے گا۔

عبداللہ عمر

12-04-2026

﴾لاہور کی تاریخ﴿

لاہور پاکستان کا صوبہ پنجاب کا دارالحکومت اور پاکستان کا دوسرا بڑا شہر ہے یہ پاکستان کا ثقافتی تعلیمی اور تاریخی مرکز ہے اِس کو پاکستان کا دل بھی کہتے ہیں یہ شہر دریائے راوی کے کنارے واقع ہے اس شہر کی آبادی ڈیڑھ کروڑ ہے شاہی قلعہ شالمار باغ بادشاہی مسجد مقبرہ جہانگیر اور مقبرہ نور جہاں مغل دور کی یادگار ہے سکھ اور برطانوی دور کی بھی تاریخی عمارتیں موجود ہیں لاہور میں بہت سے بادشاہوں نے حکومت کی ہے بہت سی قومیں یہاں آ کر بسی ہیں لیکن میں اس کا صرف مختصر تذکرہ کروں گا تاکہ لمبی تاریخ بیان کرنے سے آپ اس کتابچے سے بیزار نہ ہو اس شہر کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں عوام میں مشہور ہے لیکن اس کا ثبوت موجود نہیں کہ رام چندر جی کے بیٹے "لہو" نے یہ بستی آباد کی تھی لاہور کا ذکر ہندو راجوں سے ملتا ہے راجہ جے پال اور انند پال (ھندو شاھی خاندان) یہاں کے حکمران تھے محمود غزنوی نے 1021ء میں لاہور فتح کیا لاہور کو اپنی سلطنت کا اہم مرکز بنایا اس کے بعد غوری دور کا آغاز ہوا محمد غوری نے لاہور پر قبضہ کیا یہ دور دہلی سلطنت کے قیام کا آغاز بنا مختلف خاندانوں نے لاہور پر حکومت کی مملوک خاندان جس میں سرفہرست قطب الدین ایبک جو کہ افغانستان کے شہر ایبک سے آئے تھے اور سلطان التمش۔ خلجی خاندان میں علاؤ الدین خلجی خاندان محمد بن تغلق، لودھی خاندان ابراہیم لودھی اس کے بعد مغلیہ دور شروع ہوا بابر پہلے سے ہی ہندوستان پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور دولت خان لودھی کی دعوت نے اس پر مہمیز کا کام کیا لاہور کے قریب بابر اور ابراہیم لودھی کی افواج میں پہلا ٹکراہوا جس میں بابر فتح یاب ہوا تاہم صرف چار روز کے وقفے کے بعد اس نے دہلی کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ابھی بابر سرہند کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اسے دولت خان لودھی کی سازش کی اطلاع ملی جس پر وہ اپنا ارادہ منسوخ کر کے لاہور کی جانب بڑھا اور مفتوحہ علاقوں کو اپنے وفادار سرداروں کے زیر انتظام کر کے کابل واپس ہوا۔ اگلے برس لاہور میں سازشوں کا بازار گرم ہونے کی اطلاعات ملنے پر بابر دوبارہ لاہور کی طرف روانہ ہوا مخالف افواج راوی کے قریب مقابلے کے لیے سامنے آئے مگر مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ہی بھاگ نکلے لاہور میں داخل ہوئے بغیر بابر دہلی کی طرف بڑھا اور پانی پت کی لڑائی میں فیصلہ کن فتح حاصل

کر کے دہلی کے تخت پر قابض ہوا اس طرح ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی ابتداء لاہور کے صوبہ دار کی بابر کو دعوت سے ہوئی۔

اصل ترقی اکبر اعظم کے زمانے میں ہوئی لاہور کو کچھ عرصہ دارالحکومت بنایا گیا لاہور قلعہ کو وسعت دی گئی لاہور کو مضبوط فصیل اور دروازے دیے گئے مزید ترقی جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور میں لاہور اپنے عروج پر پہنچا شالیمار باغ تعمیر ہوا خوبصورت عمارتیں باغات اور نہریں بنائی گئی فن تعمیر اپنے عروج پر تھا مذہبی وثقافتی ترقی اور اورنگزیب عالمگیر کے دور میں ہوئی بادشاہی مسجد تعمیر ہوئی اسلامی طرز تعمیر کو فروغ ملا اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت تیزی سے کمزور ہونے لگی اور لاہور بھی اس زوال سے شدید متاثر ہوا اس کے چند اہم اسباب تھے جیسے:

کمزور حکمران اور اندرونی لڑائیاں اورنگزیب کے بعد آنے والے بادشاہ طاقتور نہ تھے دربار میں سازش، تخت کی لڑائیاں اور صوبائی گورنروں کی بغاوت بڑھ گئی جس سے مرکز کمزور ہو گیا اور لاہور جیسے اہم شہر پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی بیرونی حملے اور تباہی 1739ء میں نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا اگرچہ اس کا بڑا حملہ دہلی پر تھا مگر پورا خطہ عدم استحکام کا شکار ہو گیا اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے بار بار پنجاب اور لاہور پر حملے کیے جس سے شہر کی معیشت تباہ ہوئی آبادی کو نقصان پہنچا تجارتی سرگرمیاں ختم ہونے لگی مغلوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سکھ قوت مضبوط ہوئی مختلف سکھ جتھے لاہور اور اس کے گردونواں میں طاقت حاصل کرنے لگے جس سے مغلیہ کنٹرول مزید کمزور ہو گیا جس کی وجہ سے معاشی بحران آیا تجارت کم ہو گئی لوگ ہجرت کرنے لگے شہر کی رونق ماند پڑ گئی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے لاہور کو دارالحکومت بنایا سکھ سلطنت کا مرکز بنا سکھوں کی سلطنت ختم ہونے کے بعد 1849ء میں انگریزوں نے لاہور پر قبضہ کیا ترقیاتی کام شروع کیے جیسے ریلوے تعلیمی ادارے لاہور سیاسی اور ثقافتی مرکز بنا برطانوی دور میں 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان منعقد ہوئی منٹو پارک میں جس کی وجہ سے قائداعظم اور مسلمانوں کی سیاست کو قوت حاصل ہوئی اور کئی سال جدوجہد کے بعد 14 اگست 1947ء پاکستان آزاد ہو گیا تقسیم کے بعد لاہور پاکستان کا اہم شہر بن گیا اور جیسا کہ اس باب کے شروع میں عرض کیا لاہور صوبہ پنجاب کا دارالحکومت بنا لاہور پاکستان کے سب سے ترقی یافتہ شہر ہے یہ تعلیمی مرکز ہے یہاں پہ موجود میڈیکل کالجز اور عظیم درسگاہیں ہیں پورے پاکستان میں لاہور جیسا ٹرانسپورٹیشن سسٹم کہیں بھی نہیں ہے یہاں پہ بس، ٹیکسی رکشہ ہر قسم کی سواری میسر ہے بلکہ پاکستان کی واحد میٹرو ٹرین بھی یہاں میسر ہے لاہور ایک تجارتی مرکز بھی ہے یہاں کے بازار کسی سے کم نہیں یہاں پہ جنوبی ایشیاء کی سب سے بڑی کلاتھ مارکیٹ اعظم کلاتھ

مارکیٹ ہے اور پاکستان کی سب سے بڑی ہول سیل مارکیٹ شاہ عالم مارکیٹ بھی یہیں پائی جاتی ہے اور انارکلی بازار لبرٹی مارکیٹ اچھرہ بازار اور کئی اقسام کی مارکیٹ یہاں پائی جاتی ہے یہاں پہ بہت سارے شاپنگ مال بھی ہے سر فہرست امپوریم مال، پیکجز مال، ڈولمن مال، فورٹرس سکوئر مال، امانہ مال، مال آف لاہور وغیرہ۔ لاہور کو باغوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے اور اس کے اوپر ایک مکمل باب آپ کو پڑھنے کو ملے گا۔

مغل ورثہ (Heritage) اور گمنام گوشے

1۔ بادشاہی مسجد

جب مغل تعمیرات کا ذکر ہوگا تو سرفہرست بادشاہی مسجد ہی ہوگی بادشاہی مسجد کو عالمگیری بادشاہی مسجد بھی کہا جاتا ہے یہ مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے دور حکومت میں بنی تھی 1671ء میں اس کے تعمیراتی کام آغاز ہوا اور 1673ء میں یعنی دو سال کے قلیل عرصے میں یہ مکمل ہوا کچھ روایات کے مطابق 10 ہزار مزدور نے مل کر یہ مسجد بنائی اور چار لاکھ روپے اس وقت اس پر خرچ آیا اس وقت یہ دنیا کی 15 ویں سب سے بڑی مسجد ہے اور اس میں ایک لاکھ نمازی کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے اس کے احاطے میں شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ یہاں مدفون ہے اس کے سامنے حضوری باغ اور شاہی قلعہ ہے بادشاہی مسجد کا ایک راستہ روشنائی دروازے سے بھی ہے جو کہ فوڈ سٹریٹ کے ساتھ جو ہے یہ میری پسندیدہ جگہ ہے پہلی دفعہ 2010ء میں اس کو وزٹ کیا اور صحیح بتاؤں میں اس کو تقریباً 40 مرتبہ وزٹ کر چکا ہوں اور ہر دفعہ ایسا ہی لگتا ہے جیسے پہلی دفعہ دیکھ رہے ہوں اکثر کبھی اندرون شہر کی طرف چکر لگے یا آزادی انٹرچینج سے گزر ہو تو کچھ لمحہ بادشاہی مسجد کو ضرور دیکھتا ہوں اور آپ کو بتا تا چلوں کہ بادشاہی مسجد کا ہر موسم میں اس کا ایک الگ ہی رنگ ہوتا ہے بادشاہی مسجد میں تبرکات کی گیلری بھی ہے یہاں پہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے تبرکات حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ تبرکات امام حسن کے تبرکات بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہ کے تبرکات اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے تبرکات موجود ہیں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تبرکات جو ان ہستیوں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں یہ ان کے ہیں ہی نہیں واللہ اعلم پھر یہاں پہ قران گیلری ہے یہاں پہ میرے علم کے مطابق 30 یا 30 سے زائد قرآن ایسے ہے جو دھگوں کی مدد سے لکھیں گئے ہیں۔

2۔ حضوری باغ

ویسے تو راجہ رنجیت سنگھ کے دور میں قائم ہوا ہے ویسے تو یہ مغل دور کی عمارت نہیں ہے لیکن مغل طرز کی ہی بنی ہوئی ہے جو کہ بادشاہی مسجد اور شاہی قلعے کے درمیان ہے اس باغ کو شاہی دربار اور تقریبات کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اس میں موجود سفید سنگ مرمر سے بنی بارہ دری چار چاند لگا دیتی ہے آج بھی یہ سیاسی اور دیگر بڑی تقریبات کے لیے استعمال ہوتا ہے یا فلم اور شوٹنگ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ انتہائی خوبصورت باغ ہے اس کی خوبصورتی برقرار رکھنے کے لیے انتظامیہ نے اس کے اردگرد فینسنگ کی ہوئی ہے عام عوام کے لیے اس باغ میں داخلہ ممنوع ہے۔

3۔ شاہی قلعہ

شاہی قلعہ لاہور کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے بادشاہ اکبر کے دور میں اس کی تعمیر کا آغاز ہوا اور اس کو مکمل ہوتے 100 سال لگ گئے زیادہ تر حصہ بادشاہ اکبر کے دور میں ہی بنا کچھ تعمیراتی کام جہانگیر کے دور میں ہوا اور کچھ تعمیراتی کام بادشاہ شاہ جہاں کے دور میں ہوئے جیسے شیش محل وغیرہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شاہی قلعہ لاہور اونچا بنانے کی دو وجوہات تھی ایک جنگی حکمت عملی اور دوسرا یہ سننے میں آتا ہے کہ اس کے دیوار کے ساتھ راوی دریا بہتا تھا شاہی قلعہ لاہور کی ایک خاص بات یہ ہے کہ آپ یہاں جب بھی جائیں آپ کو کچھ نہ کچھ نیا دیکھنے کو ملتا ہے میں پہلی دفعہ 2010ء میں گیا تھا تب اس کی شکل کچھ اور تھی 2018ء میں کچھ اور 2019ء میں اور موجودہ وقت میں کچھ اور والڈ سٹی لاہور اتھارٹی (WCLA) نے یہاں بہت سے تعمیراتی کام کیے ہیں جیسے بارود خانہ، اکبری حمام، رنجیت سنگھ کا میوزیم، شاہی رسوئی خانہ، بھٹو جیل اور دیگر مغل ورثہ (heritage) کو بحال کیا یہاں پہ واقع موتی مسجد جس کو جن والی مسجد بھی کہا جاتا ہے اس سے 1673ء کے قریب اورنگزیب عالمگیر نے تعمیر کروائی یہ مسجد سفید سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے آپ جب بھی شاہی قلعہ کا دورہ کریں تو ضرور شیش محل اور نولکھا محل ضرور وزٹ کریں ایک جگہ جو کہ حال ہی میں بحال ہوئی ہے نولکھا کے قریب جس کی ٹکٹ 100 روپے ہے وہاں آپ اوپر جائیں اور وہاں سے کیا خوب نظارہ آتا ہے مینار پاکستان بادشاہی مسجد بارود خانہ شاہی اور قلعے کا مرکزی دروازہ ایک ساتھ نظر آتا ہے۔

4۔ شالامار باغ

شالامار باغ لاہور کے اہم سیاحتی جگہوں میں سے ایک جگہ ہے یہ باغ 1641 میں بننا شروع ہوا اور 1642ء میں مکمل ہوا تقریباً 17 مہینوں میں اپنی تکمیل تک پہنچا یہ باغ تین سطحوں پر مشتمل ہے اس کے یہ ٹیرس (Terrac) اس کو

دوسرے باغات سے نایاب اور خوبصورت بناتے ہیں اس میں موجود سفید سنگ مرمر کی بنی بارہ دری اور 410 فوارے اس باغ کی زینت ہے اس میں سرخ پتھر کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔

5۔ وزیر خان مسجد

وزیر خان مسجد دہلی گیٹ سے 300 میٹر دور واقع ہے یہ 12 دروازوں کے اندر شامل ہے وزیر خان مسجد 1634ء میں بننا شروع ہوئی اور 1642ء میں تکمیل تک پہنچی تقریباً سات سال کا عرصہ لگا اس مسجد کو تعمیر ہونے میں۔ یہ مسجد شیخ علم الدین انصاری عرف وزیر خان نے بنوائی جو کہ مغل بادشاہ شاہ جہاں کے دور میں صوبہ پنجاب کے گورنر تھے یہ مغل دور کی اُن چند عمارتوں میں سے ہیں جہاں خوبصورتی اور آرائش کو اہمیت دی گئی ہے اس کی دیواروں پر نہایت نفیس کاشی کاری کی گئی ہے اس کے چاروں کونوں پر اُونچے مینار اور اُس کا وسیع صحن اور محراب نہایت دلکش ہے لیکن اب یہ مسجد خستہ حالت میں ہے WCLA اس کی بحالی میں کئی عرصے سے کام کر رہی ہے ہماری حکومت سے درخواست ہے کہ کئی سال ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک اس مسجد کا کام مکمل نہیں ہوا تو اس کو جلد از جلد مکمل کیا جائے کیونکہ یہ لاہور کا ایک اہم سیاحتی مرکز ہے ہزاروں لاکھوں سیاح پوری دنیا سے دہلی گیٹ آتے ہیں اور اگر کوئی دہلی دروازہ آئے اور وزیر خان مسجد نہ وزٹ کریں ایسا ممکن ہی نہیں یہ دہلی دروازے کا اہم مرکز ہے۔

6۔ جہانگیر کا مقبرہ

مغل بادشاہ جہانگیر کی آخری آرام گاہ راوی دریا کے اُس پار شاہدرہ باغ میں موجود ہے جہانگیر کا مقبرہ مغل بادشاہ شاہ جہاں اور نور جہاں زوجہ جہانگیر نے 1627ء میں تعمیر کا آغاز کروایا جو کہ 1637ء میں اپنی تکمیل تک پہنچا جہانگیر کا مقبرہ مغل فن تعمیر کا ایک شاندار نمونہ ہے اس میں سرخ پتھر اور سفید سنگ مرمر استعمال ہوا ہے جہانگیر کے مقبرے میں داخل ہونے سے پہلے اکبری سرائی آتی ہے جو کہ ایک وسیع باغ ہے جہانگیر کا مقبرہ اور آصف جہاں کے مقبرے کے درمیان اکبری سرائی سے داخل ہوتے ہی ایک خوبصورت اور وسیع وعریض باغ بلکہ کہنا چاہیے باغات دیکھنے کو ملتے ہیں جہانگیر کے مقبرے کی عالی شان عمارت دیکھنے کو ملتی ہے اور آپ کو بتا تا چلوں ویسے تو انتظامیہ نے اس کے مینار پر جانے کا راستہ بند کر رکھا ہے لیکن کسی وقت میں یہ کھلا ہوتا تھا اور میں نے خود 2 اپریل 2022ء میں زندگی میں پہلی مرتبہ جہانگیر کے مقبرے گیا تو میں مینار پر چڑھا اس کا مینار انتہائی اونچا ہے اور اس سے راوی دریا اور اس پار لاہور کا ایک عظیم منظر دیکھنے کو ملتا ہے اور اگر آپ مینار سے بادشاہی مسجد کو دیکھیں تو اس کے صرف تین مینار نظر آتے ہیں اور اگر آپ

بادشاہی مسجد کے مینار سے جہانگیر کے مقبرے کو دیکھیں تو اس کے بھی صرف تین مینار نظر آتے ہیں یہ ایک حیرت کی بات ہے۔

7۔ نور جہاں کا مقبرہ

مہر النساء المعروف ملکہ نور جہاں شہنشاہ جہانگیر کی چہیتی زوجہ اور مغل تاریخ کا ایک انتہائی بااثر و اہم کردار تھی۔ آپ کا انتقال 1645ء میں ہوا یہ مقبرہ ملکہ نے غالباً اپنی عین حیات ہی تعمیر کروایا تھا تاریخی شواہد کے مطابق یہ مقبرہ انتہائی دلکش نکاشی و دیگر آرائشی کام سے مزین تھا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال میں یہ مقبرہ بھی بری طرح متاثر ہوا بعد ازاں سکھ عہد میں اس مقبرے کی حالت ابتر ہو گئی قیمتی پتھر اتر والیا گیا جبکہ تہ خانے میں موجود ملکہ اور اُن کی صاحبزادی لاڈلی بیگم کی قبور کو بھی نقصان پہنچا۔ نیز برطانوی نوآبادیاتی دور میں ریلوے لائن کو بچھانے کے واسطے میں اس مقبرے کو شہنشاہ جہانگیر کے مقبرے سے جدا کر دیا گیا۔ مختلف ادوار میں اس مقبرے کی بحالی کا کام بھی ہوتا رہا جیسا کہ 1912ء میں حکیم اجمل خان نے مقبرے کی حالت زار دیکھتے ہوئے اس کے فرش کا کام خطیر رقم شامل کر کے مکمل کروایا۔

8۔ آصف خان کا مقبرہ

آصف خان مغل بادشاہ جہانگیر کی زوجہ نور جہاں کے بھائی تھے یہ جہانگیر کے دور میں نمایا ہوئے ان کو جہانگیر نے ابو الحسن کا لقب دیا۔ یہ درباری سیاستدان تھے بعد میں یہ مشیر اعلیٰ بھی بن گئے ان کی بیٹی ممتاز محل تھی جو کہ مغل بادشاہ شاہ جہاں کے محبوب ترین بیوی تھی آصف خان کا مقبرہ جہانگیر کے مقبرے کے بالکل سامنے ہے یہ مقبرہ ایک عرصہ دراز سے خستہ حال میں تھا لیکن کچھ عرصہ پہلے ڈبلیو سی ایل اے (WCLA) نے اس کی بحالی کا کام شروع کیا اور ابھی بھی جاری ہے۔

﴾ گمنام گوشے ﴿

1۔ مریم اُز زمانی مسجد (جودہ بیگم)

لاہور کے 12 دروازوں میں واقع یہ مغل مسجد جس سے بہت سے لاہوری اس سے ناواقف ہے یہ مسجد مغل بادشاہ اکبر کے دور میں بنی 1611ء میں اس تعمیر کا آغاز ہوا اور 1614ء میں تقریباً تین سال کے عرصے میں مکمل ہوا اس مسجد کا نام اکبر بادشاہ کے زوجہ مریم اُز زمانی عرف جودہ بیگم کے نام پر ہے یہ قلعے کے پیچھے واقع شوما رکیٹ میں ہے یہ مسجد

لاہور کے گمنام گوشہ میں سے ایک ہے اس وقت اس مسجد کی صورتحال خستہ ہے۔

2۔ علی مردان خان کا مقبرہ

علی مردان خان مغلیہ دور کے ایک دلیر سپہ سالار اور منتظم تھے یہ ایرانی النسل تھے اور انہوں نے مغل بادشاہ شاہ جہاں کے دور میں بہت سی خدمات سرانجام دی انہوں نے بہت سے ترقی یاتی کام کیے جیسے بہت سی نہریں بنائی شالیمار باغ میں اہم کردار ادا کیا فن تعمیر اِن میں پائی جاتی تھی اور کئی ایک منصوبے انہوں نے مغلیہ دور میں بنائے 1657ء میں ان کا انتقال ہوا ان کا مقبرہ شالیمار باغ، یو ای ٹی یونیورسٹی کی طرف واقع ہے اس مقبرے میں سرنگ کی مانند گلی جو اوپر سے لوہے کے جنگلے سے بند ہے جو کہ اسے باقی تعمیرات سے الگ بناتا ہے آج کل یہ تصویر بنانے کا بھی نیا مرکز ہے اس مقبرے کی حالت انتہائی خستہ ہے لیکن اس کے بحالی کا کام جاری ہے اور جلد یہ گمنام گوشہ ایک نئی سیاحتی مرکز بنے گا۔

3۔ قطب الدین ایبک کا مقبرہ

برصغیر میں مسلم حکومت کے اولین حکمرانوں میں شمار ہوتے ہیں اور مملوک سلطنت کے بانی تھے۔قطب الدین ایبک کا مقبرہ لاہور شہر میں انارکلی کے علاقے میں واقع ہے۔ یہ مقبرہ سادگی اور تاریخی اہمیت کے لحاظ سے خاص مقام رکھتا ہے۔

تاریخی پس منظر:

قطب الدین ایبک کی وفات 1210ء میں ہوئی۔ روایت کے مطابق وہ چوگان (پولو) کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر جاں بحق ہوئے۔انہیں لاہور میں دفن کیا گیا، جو اس وقت ان کا دارالحکومت تھا۔ان کا مقبرہ ابتدائی طور پر نہایت سادہ تھا، کیونکہ اس دور میں عظیم الشان مقبرے بنانے کا رواج کم تھا۔تعمیر اور بعد کی تبدیلیاں: اصل مقبرہ وقت کے ساتھ خراب ہو گیا تھا۔ بعد میں سکندر لودھی کے دور (15 ویں صدی) میں اس کی مرمت اور دوبارہ تعمیر کی گئی۔ موجودہ عمارت زیادہ تر لودھی دور کی تعمیر ہے، جس میں اسلامی طرزِ تعمیر کی سادگی نمایاں ہے۔

4۔ کامران کی بارہ دری

کامران کی بارہ دری لاہور میں پہلی مغلیہ عمارت تھی یہ پہلے مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر کے بیٹے کامران مرزا کے نام پر بنی جو کہ بادشاہ ہمایوں کے بھائی تھے یہ راوی دریا کے کنارے پر واقع ہے اور اس بارہ دری کو دو راستے جاتے ہیں ایک تو دریا سے کشتی کے ذریعے جس سے زیادہ تر لوگ جاتے ہیں دوسرا راستہ جو کہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے بارہ دری روڈ سے جو کہ 300 سے 400 میٹر کچے راستے سے ہو کر آتا ہے اس بارہ دری میں خوبصورت باغ پایا جاتا ہے کیونکہ یہ جگہ شہر

سے دور ہے اور لوگوں اس کا اتنا علم نہیں ہے تو یہاں سوائے اتوار کے ویک ڈیز میں زیادہ سے زیادہ ایک یا دو بندے آپ کو دیکھنے کو ملیں گے۔ اس کی چھت سے ایک خوبصورت منظر دیکھنے کو ملتا ہے اور یہ جگہ مجھے اس وجہ سے بھی بہت پسند ہے کیونکہ یہ ایک پرسکون سیاحتی جگہ ہے اس کی تعمیر 1540ء میں کامران مرزا نے کروائی تھی یہ ان چند مغل عمارتوں میں سے ہے جو صحیح سلامت اور مینٹین ہے بارہ دری کی دیواروں پر طالب علم کی طرف سے نہایت نازیبہ اشعار اور کلمات لکھے ہیں انتظامیہ سے درخواست ہے ان اشعار اور کلمات کو مٹایا جائے اور طالب علم واقعی طالب علم ہونے کا مظاہرہ کریں اس طرح کی حرکت نہ کسی جاہل کو زیب دیتی ہے اور طالب علم کو بالکل بھی زیب نہیں دیتی ہے ان سے التماس ہے کہ عقل کا مظاہرہ کریں۔

5۔ زیب النساء کا مقبرہ

یہ مقبرہ چوبرجی اور سمن آباد کے درمیان مین ملتان روڈ پر واقع ہے یہ مقبرہ اورنگزیب عالمگیر کی بیٹی زیب النساء کا ہے ستارویں صدی میں اس کی تعمیر ہوئی۔

6۔ شاہی حمام

شاہی حمام لاہور کے قدیم مغلیہ دور کے حماموں میں سے ایک اہم تاریخی عمارت ہے، جو آج بھی اپنی خوبصورتی اور فنِ تعمیر کی وجہ سے مشہور ہے۔

تعمیر اور بانی:

شاہی حمام کی تعمیر 1635ء میں مغل بادشاہ شاہ جہاں کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ اسے اس وقت کے گورنر لاہور حکیم علم الدین انصاری (جنہیں وزیر خان بھی کہا جاتا ہے) نے تعمیر کروایا۔ اسی وجہ سے اسے "وزیر خان حمام" بھی کہا جاتا ہے۔

محلِ وقوع:

یہ حمام لاہور کے مشہور علاقے دہلی دروازہ کے قریب واقع ہے اور مسجد وزیر خان کے سامنے ہے، جو خود بھی مغلیہ فنِ تعمیر کا شاہکار ہے۔

استعمال اور مقصد:

مغل دور میں شاہی حمام عوام اور شاہی افراد کے لیے نہانے، صفائی اور آرام کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس میں: گرم،

ٹھنڈے اور نیم گرم پانی کے الگ حصے مساج اور آرام کے کمرے خوبصورت فریسکو (دیواروں پر نقاشی) موجود تھے، جو اس زمانے کی جدید سہولیات میں شمار ہوتے تھے۔ وقت کے ساتھ یہ عمارت خراب ہوگئی اور مختلف دکانوں میں تبدیل ہو گئی تھی۔ لیکن بعد میں آغا خان ٹرسٹ فار کلچر نے اس کی بحالی (Restoration) کا کام کیا، جو 2015ء میں مکمل ہوا۔

موجودہ حیثیت:

آج شاہی حمام ایک عجائب گھر (Museum) کی حیثیت رکھتا ہے اور سیاحوں کے لیے کھلا ہے۔ یہ لاہور کے ثقافتی ورثے کی ایک اہم نشانی ہے۔

7۔ مقبرہ دائی انگہ

یہ مقبرہ شالامار باغ کے قریب واقع ہے اس کو گلابی باغ کے نام سے

بھیجانا جاتا ہے دائی انگہ جن کا اصل نام زیب النساء تھا یہ مغل بادشاہ شاہ جہاں کی رضائی والدہ تھی مغل دربار میں ان کا برا اثر ورسوخ پایا جاتا تھا خاص طور پر شہزادہ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں یہ مقبرہ 1671ء میں تعمیر کیا گیا۔ روایت کے مطابق اسے دائی آنگا کی یاد میں تعمیر کروایا گیا، اور بعض مورخین کے مطابق اس کی تعمیر میں ان کے خاندان یا درباری شخصیات کا کردار تھا۔

8۔ چوبرجی مینار

چوبرجی کا مطلب ہے چار برجوں والا چوبرجی کے یہ اداس مینار ایک وسیع باغ کا گیٹ وے تھا یہ بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کی بیٹی زیب النساء نے 1646ء میں بنوایا تھا اس یادگار میں نفیس کاشی کاری کا کام ہوا ہے یہ باقی مغلیہ عمارتوں سے مختلف نظر آتی ہے 2015ء میں سننے میں آیا تھا اور نج ٹرین لاہور کی تعمیر کے لیے اسے توڑا جائے گا لیکن کچھ لوگوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس مغل یادکو بچالیا۔ اب یہ ایک مصروف چوک کی مانند ہے اور لاہور کی پہچان ہے۔

﴾دیگر گمنام گوشے﴿

اس باب میں بے شمار مقبروں کا تذکرہ ہو چکا ہے اس لیے میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا کیونکہ اس باب کا موضوع مغل ہیریٹیج اور گمنام گوشوں کا تھا اس لیے ان کا تذکرہ کرنا ضروری تھا چند گمنام گوشوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ بُدھو کا مقبرہ (Tomb of Buddhu)

2۔ سرو والا مقبرہ (Tomb of Cypress)

3۔ نعمت خان کا مقبرہ (Tomb of Naymat)

4۔ نادرا بیگم کا مقبرہ (Tomb of Nadra Begum)

5۔ بائی وسطی رام (Samadhi of Bhai Wasti)

﴾لاہور کے تیرہ دروازے﴿

1۔ بھاٹی گیٹ

بھاٹی گیٹ کا نام قدیم راجپوت قبیلے 'بھٹی' کے نام پر رکھا گیا ہے، جنہوں نے قدیم زمانے میں ان علاقوں پر یلغار کی تھی۔ یہاں کی سب سے مشہور مارکیٹ 'حکیموں والا بازار' ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہاں کثیر تعداد میں حکیموں کی دکانیں موجود ہیں۔ بھاٹی گیٹ کے قریب ہی ایک عجائب گھر 'فقیر خانہ میوزیم' واقع ہے، جہاں مختلف قدیم ادوار کی یادگاریں موجود ہیں۔ مشہور شاعر اور فلسفی علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا قدیم گھر بھی بھاٹی گیٹ میں واقع ہے؛ وہ اپنی گریجویشن کے دوران یہاں قیام پذیر رہے تھے۔ یہاں 'وکٹوریہ گرلز ہائی اسکول' کے نام سے ایک قدیم اسکول بھی موجود ہے، جس کا نام ملکہ وکٹوریہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ بھاٹی گیٹ کے لوگ زندہ دل ہیں اور وہ بھاری اور لذیذ کھانے، خصوصاً سری پائے، حلوہ پوری اور لسی بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا پسندیدہ کھیل کشتی ہے اور مشہور پہلوان 'کالا مارو' کا تعلق بھی بھاٹی گیٹ سے ہی تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں سکھ دورِ حکومت کے ابتر حالات کے دوران، شہر کی فصیلوں اور دروازوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا، جنہیں بالآخر انگریزوں نے گرا دیا۔ برطانوی دور میں اس گیٹ کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

2۔ روشنائی گیٹ

روشنائی گیٹ، جسے "روشن دروازہ" بھی کہا جاتا ہے، شاہی قلعہ اور بادشاہی مسجد کے درمیان قدیم لاہور (اندرون شہر) کے جنوب میں واقع ہے۔ روشنائی گیٹ کے دو ڈھانچے ہیں: ایک رنجیت سنگھ کی سمادھی کے ساتھ واقع ہے اور دوسرا فورٹ روڈ فوڈ اسٹریٹ کی طرف کھلتا ہے۔

روشنائی گیٹ واحد تاریخی دروازہ ہے جو اب بھی اچھی حالت میں موجود ہے اور اپنی اصل شکل وصورت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ قلعہ کے راستے شہر میں داخلے کا مرکزی دروازہ تھا اور اسے خاص طور پر امراء، درباریوں، شاہی ملازمین اور شاہی قافلوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ شام کے وقت اس دروازے کو چراغوں سے روشن کیا جاتا تھا، اسی لیے اس کا نام "روشنی دروازہ" پڑ گیا۔ اس دروازے کے ساتھ ہی حضوری باغ ایک اور قابلِ ذکر مقام ہے۔ یہ باغ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1813ء میں افغانستان کے شاہ شجاع سے مشہورِ زمانہ کوہِ نور ہیرہ حاصل کرنے کی خوشی میں بنوایا تھا۔ باغ کے وسط میں ایک بارہ دری ہے جسے "حضوری باغ بارہ دری" کہا جاتا ہے، لیکن اب یہ کافی خستہ حال ہے۔ علامہ محمد اقبال کا مزار اور رنجیت سنگھ کی سمادھی بھی اسی باغ میں واقع ہیں۔

3۔ لاہوری گیٹ

لاہوری گیٹ، جسے لوہاری گیٹ بھی کہا جاتا ہے، لاہور شہر کے نام پر منسوب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب ملک ایاز نے محمود غزنوی کے دور میں شہر کی تعمیر نو کی تو شہر کی ایک چوتھائی آبادی ابتدا میں اسی دروازے کے گرد آباد ہوئی، جس میں 'لاہوری منڈی' نامی ایک بازار بھی شامل تھا جو شہر کے نام پر رکھا گیا تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں سکھ دورِ حکومت کے ابتر اور پرآشوب اختتام پر شہر کی فصیل اور اس کے دروازے دونوں ہی عدم توجہی کا شکار رہے اور آخر کار جب انگریزوں نے شہر پر قبضہ کیا تو انہیں گرا دیا گیا۔ بعد ازاں انہوں نے ان دروازوں کو دوبارہ تعمیر کیا، جس میں لوہاری گیٹ کو اس کے اصل ڈیزائن کے قریب تر رکھا گیا، بجائے اس 'گوتھک ریوائیول' (Gothic Revival) طرزِ تعمیر کے جسے انگریز عام طور پر پسند کرتے تھے۔ محراب والے راستے کے اوپر اب بھی ایک سنگِ مرمر کی تختی نصب ہے جس پر اردو اور انگریزی میں درج ہے کہ یہ تعمیر نو 1864ء میں پنجاب کے دوسرے لیفٹیننٹ گورنر سر رابرٹ مونٹگمری (Sir Robert Montgomery) کے احکامات کے تحت کی گئی تھی۔ یہ کام مسٹر ٹی ڈی فورسیتھ (کمشنر) اور کیپٹن ہال (ڈپٹی کمشنر لاہور) کے ذریعے اور ایک شخص 'عبدالمجید خان' کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ برطانوی دور میں تعمیر

کیے گئے پانچ باقی ماندہ دروازوں میں لوہاری گیٹ واحد ایسا دروازہ ہے جو یورپی طرزِ تعمیر سے سب سے کم متاثر ہوا ہے۔اس کے مرکزی دروازے کے ڈھانچے کے دونوں اطراف دو بڑے برج (bastions) ہیں، جبکہ مغربی برج قدیم شہر کی فصیل کے ایک چھوٹے سے حصے (stub) کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

4۔ دہلی دروازہ

دہلی دروازہ اندرونِ شہر کا مرکزی دروازہ ہے۔ یہ شہر کے مشرقی جانب واقع ہے جو کبھی لاہور قلعہ اور دہلی کے درمیان مرکزی راستہ ہوا کرتا تھا۔ یہ شمال میں یکی دروازہ اور جنوب میں اکبری دروازہ کے درمیان، لنڈا بازار کے مغربی سرے پر، میلاد چوک سے آگے واقع ہے۔ یہ تمام دروازوں میں سب سے بڑا اور مشہور ترین دروازوں میں سے ایک ہے جسے سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔مشہورِ زمانہ وزیر خان مسجد دہلی گیٹ بازار کے اندر تقریباً 200 میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔اس عمارت کے مغرب میں مسجد کا شاہی حمام موجود ہے، جو مغل دور کا بچ جانے والا واحد عوامی حمام ہے۔ شہنشاہ اکبر کا تعمیر کردہ یہ دروازہ اس وقت بھی برقرار تھا جب انگریزوں نے سکھوں سے لاہور کا قبضہ حاصل کیا، لیکن تب یہ انتہائی خستہ حال تھا۔

5۔ شیرانوالہ گیٹ

شیرانوالہ گیٹ شہر کے شمالی دروازوں میں سے ایک ہے جس کے مغرب میں کشمیری گیٹ اور جنوب مشرق میں یکی گیٹ واقع ہے۔ دروازے کی عمارت کا رخ شمال کی جانب ہے، جبکہ سرکلر روڈ اور گیٹ کے درمیانی باغ والے حصے پر پہنچنے والی سڑک کے ساتھ چھوٹی عمارتیں بے ترتیبی سے بکھری ہوئی ہیں۔ باغ کی سطح دروازے کی سطح سے تقریباً 4 میٹر نیچی ہے اور رسائی والی سڑک کے ساتھ موجود ڈھانچوں کی چھتیں کئی مقامات پر سڑک کی سطح سے بھی نیچے ہیں۔ سڑک کا مشرقی حصہ ایک کھلا پارک ہے، جبکہ مغربی جانب اور شہر کی قدیم فصیل کی جگہ پر گھر تعمیر کر لیے گئے ہیں جو گیٹ کی عمارت سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ دروازہ پہلے خضری گیٹ کے نام سے جانا جاتا تھا، لیکن اس کا موجودہ نام اس لیے پڑا کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ دروازے کے دونوں اطراف پنجروں میں دو شیر رکھا کرتا تھا۔ مرکزی داخلی محراب کے سامنے والے حصے پر دو شمسی تمغے (نشانات) بنے ہوئے ہیں۔

6۔ کشمیری گیٹ

کشمیر گیٹ کا نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ اس کا رخ کشمیر کی جانب ہے اور مغلیہ دور میں یہ اس سڑک پر کھلتا تھا جو کشمیر کی

طرف جاتی تھی۔موجودہ گیٹ برطانوی دور میں انیسویں صدی کے آخر میں نوآبادیاتی طرزِ تعمیر پر بنایا گیا تھا اور یہ تقریباً 'شیرانوالہ گیٹ' جیسا ہی ہے، جسے انگریزوں ہی نے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ دیگر دروازوں کے مقابلے میں یہ اپنی ظاہری شکل میں چھوٹا اور سادہ ہے۔ لوہاری اور دہلی گیٹ جیسے بڑے دروازوں کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس دور میں غالباً اس علاقے کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں تھی۔تاہم، آزادی کے بعد کشمیر گیٹ کے اندرونی حصے میں تجارت اس حد تک پھیلی کہ یہ علاقہ دیوارِ شہر (اندرون شہر) کے مصروف ترین تجارتی مراکز میں سے ایک بن گیا۔ گیٹ کی عمارت انگریزی حرف 'T' کی شکل کی ہے، جس کا شمالاً جنوباً محور اس 'T' کا مرکز بناتا ہے۔اس کا مرکزی دروازہ سامنے کی طرف نکلا ہوا ہے جس میں 'گوتھک' طرز کی محراب ہے اور دونوں اطراف بھاری ستون بنے ہوئے ہیں۔

کشمیر گیٹ کا ڈھانچہ ایک 'ڈیوڑھی' (پورٹیکو) اور مشرق ومغرب میں واقع دو باہم جڑے ہوئے کمروں پر مشتمل ہے۔ ڈیوڑھی نقشے میں تقریباً چوکور ہے اور اس کا فرش اسی سڑک کا حصہ ہے جو گیٹ کے درمیان سے گزرتی ہے۔ گیٹ کی سجاوٹ بہت معمولی ہے، جس میں سامنے کی طرف دھنسی ہوئی محرابیں یا سوراخ اور مرکزی محراب کے اطراف میں بنے ہوئے 'شمسہ' (پھولدار نقش ونگار) شامل ہیں۔ یہ عمارت نہایت سادہ ہے، جس پر چونا پلاستر کیا گیا ہے اور اسے 'پکا کلی' سے مکمل کیا گیا ہے۔

7۔ اکبری گیٹ

اکبری گیٹ اندرونِ شہر کے مشرقی جانب واقع ہے۔اس کا نام مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر (1542-1605) کے نام پر رکھا گیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ دروازہ بوسیدہ ہوتا گیا اور انگریزی دورِ حکومت میں اس کی مرمت کی گئی، تاہم اب یہ ایک بار پھر خستہ حالی کا شکار ہے۔شاہی حکمران نے اس گیٹ کے قریب 'اکبری منڈی' کے نام سے ایک بازار قائم کیا تھا۔ یہ لاہور کی سب سے بڑی تھوک اور پرچون کی مارکیٹ ہے جہاں ہر قسم کے غلہ جات تجارت کے لیے دستیاب ہیں۔اب اس دروازے کا اصل ڈھانچہ موجود نہیں رہا۔

8۔ شاہ عالم گیٹ

شاہ عالم گیٹ، جسے عوامی بول چال میں "شاہ عالمی" گیٹ کہا جاتا ہے، لاہور کی چند بڑی اور مصروف ترین تھوک (ہول سیل) مارکیٹوں کا داخلی راستہ ہے۔ زیورات، ملبوسات اور برتنوں سے لے کر کریانہ، سرامک کے برتنوں، شادی بیاہ اور دفتری لوازمات، الیکٹرانک گیجٹس اور

کھلونوں تک آپ کو یہاں دنیا جہان کی تقریباً ہر چیز مل جائے گی۔اس حوالے سے "رنگ محل" اس گیٹ کا ایک اہم بازار ہے جو سارا دن لوگوں کے ہجوم سے بھرا رہتا ہے۔شاہ عالم گیٹ کا نام اورنگزیب عالمگیر کے بیٹے اور جانشین، معظم شاہ عالم بہادر شاہ (1707-1712) کے نام پر رکھا گیا تھا۔وہ پنجاب کے مقبول ترین اور فیاض حکمرانوں میں سے ایک تھے۔ یہ دروازہ لاہور کے دیگر دروازوں کے قدیم طرزِ تعمیر پر بنایا گیا تھا اور اسے پہلے "بھیڑ والا گیٹ" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ 1947 کے فسادات کے دوران یہ آگ کی نذر ہو گیا تھا۔حکومتِ پاکستان نے 1952 میں "ڈیمیجڈ ایریا ڈویلپمنٹ آرڈیننس" (Damaged Area Development Ordinance) جاری کیا جس کے تحت اس وقت کی 20 فٹ چوڑی سڑک کو بڑھا کر 80 فٹ کر دیا گیا۔اب صرف اس گیٹ کا نام ہی باقی رہ گیا ہے جبکہ اس کا ڈھانچہ اب وجود نہیں رکھتا۔سنہری مسجد، حویلی میاں خان اور ملک ایاز کا مزار اس گیٹ کے اندر واقع تاریخی مقامات ہیں۔

9۔ مستی گیٹ

مستی دروازہ شاہی قلعہ کے پیچھے مشرق کی جانب واقع ہے۔تحقیقی روایات کے مطابق اس دروازے کا نام یا تو لفظ "مسجدی" (مسجد سے منسوب) سے نکلا ہے یا پھر یہ اس وقت کے تعینات کردہ محافظ مستی بلوچ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ مریم زمانی کی مسجد بھی اسی کے قرب و جوار میں واقع ہے۔مستی دروازہ کا علاقہ بنیادی طور پر جوتوں کے تاجروں کا گڑھ ہے، تاہم لوہاری اور بھاٹی گیٹ کی طرح یہ بھی اپنے لذیذ کھانوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہاں کی دودھ کی دکانیں بہت مقبول ہیں، جہاں دودھ، بادام، پستے، خشک میوہ جات، قلفی اور سوئیوں سے تیار کردہ ایک خاص مشروب فروخت کیا جاتا ہے جسے "ربڑی والا دودھ" کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت اس دروازے کا اصل ڈھانچہ موجود نہیں ہے۔

10۔ ذکی گیٹ

ذکی گیٹ (یکی گیٹ) قدیم دیوارِ شہر (اندرون لاہور) کے مشرقی جانب واقع دروازوں میں سے ایک ہے۔اس کا نام ایک شہید بزرگ "ذکی" کے نام پر رکھا گیا تھا اور اس کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ عظیم بزرگ شمال سے آنے والے "تاتاریوں" کے خلاف برسرِ پیکار تھے کہ اسی دوران ان کا سر قلم کر دیا گیا۔تحقیق بتاتی ہے کہ سر کٹنے کے بعد بھی ان کا دھڑ کچھ دیر تک لڑتا رہا اور پھر گر گیا۔ان کا سر اور دھڑ الگ الگ مقامات پر دفن کیے گئے جہاں وہ گرے تھے، اور ان کے مزارات کی آج بھی عقیدت و احترام سے زیارت کی جاتی ہے۔ذکی گیٹ کے قریب نابینا افراد کے

لیے ایک اسکول کے ساتھ ساتھ کئی حویلیاں اور مندر بھی واقع ہیں۔ گیٹ کی اصل عمارت اب موجود نہیں ہے۔

11۔ ٹیکسالی گیٹ

ٹیکسالی دروازہ ان دو دروازوں میں سے ایک ہے جو دیوارِ شہر (اندرون لاہور) میں مغرب کی جانب سے داخلے کے لیے تعمیر کیے گئے تھے۔ اس دروازے کا نام یہاں قریب ہی واقع شاہی ٹکسال (سکہ بنانے کی جگہ) کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اب ٹکسال اور دروازہ دونوں ہی اپنا وجود کھو چکے ہیں۔ کھانوں کے شوقین افراد اکثر ٹیکسالی گیٹ کا رخ کرتے ہیں، کیونکہ یہاں کا بازار بہترین لاہوری ناشتے کے لیے مشہور ہے۔ کچھ معروف ناموں میں فضل دین کے پائے (پھجے کے پائے)، تاج محل کا حلوہ پوری اور شہاب الدین حلوائی شامل ہیں۔ یہ بازار روایتی موسیقی کے آلات کی تیاری اور فروخت کے لیے بھی شہرت رکھتا ہے۔ اس کے قریب ہی واقع ایک اور بازار، شیخو پوریاں بازار، شہر میں بہترین معیار کے کھسے، پشاوری اور کولہا پوری چپلوں کے لیے مشہور ہے، جہاں ملک بھر سے لوگ خریداری کے لیے آتے ہیں۔ مشہور صوفی بزرگ مادھو لال 1539ء میں اسی علاقے میں پیدا ہوئے تھے۔ پانی والا تالاب (جو اپنے دور کی ایک اہم جگہ تھی) اور گردوارہ لال کھوہ (سکھوں کی مقدس عبادت گاہ) بھی اسی دروازے کے قریب واقع ہیں۔

12۔ موچی گیٹ

لاہور کے قدیم فصیل دار شہر (اندرون شہر) کے جنوب میں واقع 'موچی' گیٹ مغلیہ سلطنت کی ایک اہم نشانی ہے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد میں پنڈت موتی رام نامی ایک گارڈ اس دروازے کی حفاظت پر مامور تھا جو اپنی موت تک اس عہدے سے وابستہ رہا، چنانچہ اس مناسبت سے یہ دروازہ ان کے نام سے منسوب ہو گیا۔ تاہم، بعض مورخین کا دعویٰ ہے کہ لفظ "موچی" دراصل اردو لفظ "مورچی" سے نکلا ہے جس کا مطلب "مورچہ بند سپاہی" ہے۔
مزید تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اب بھی مختلف محلے اپنے پرانے اور اصل ناموں سے موجود ہیں، جیسے کہ "محلّہ تیر گراں" (تیر بنانے والے) اور "محلّہ کماں گراں" (کمان بنانے والے)۔ لاہور میں سیاسی جلسوں کے لیے مشہور مقام "موچی باغ" اس گیٹ کے بالکل دائیں جانب واقع ہے۔ گیٹ کے اندرونی علاقہ خشک میوہ جات کی منڈیوں، پتنگوں اور آتش بازی کی دکانوں کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ یہ علاقہ اپنے بے مثال کبابوں، "داس کلچہ مع لونچرا" (ایک لذیذ ناشتہ جو کئی دہائیوں سے گیٹ کے اندر دستیاب ہے) اور علاقے کی مشہور مٹھائی کی دکان "فضل سویٹ ہاؤس" کے لیے بھی بہت مقبول ہے۔ مغلیہ دور کی کچھ مایہ ناز حویلیاں جیسے کہ مبارک حویلی اور نثار حویلی بھی موچی گیٹ کے اندر

واقع ہیں، جن کی عمارتوں کے اندر کئی امام بارگاہیں تعمیر کی گئی ہیں۔ ہر سال 10 محرم الحرام کو ایک بڑا ماتمی جلوس نثار حویلی سے برآمد ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ گیٹ کی اصل قدیم عمارت اب موجود نہیں ہے۔

13۔ موری گیٹ

تمام دروازوں میں سب سے چھوٹا دروازہ، "موری دروازہ"، لاہوری اور بھاٹی گیٹ کے درمیان واقع ہے۔ یہ ایک باقاعدہ دروازے کے بجائے ایک چھوٹا راستہ (گزرگاہ) تھا لیکن پھر بھی اسے مغلیہ سلطنت کے دوران تعمیر کیے گئے عظیم سلسلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اردو میں "موری" کا مطلب "چھوٹا سوراخ" ہے۔ شام کے وقت جب سیکورٹی وجوہات کی بنا پر تمام بارہ دروازے بند کر دیے جاتے تھے، تو یہ مخصوص راستہ شہرِ محصور (اندرون شہر) تک رسائی فراہم کرتا تھا اور اسے شہر کے کوڑے کرکٹ اور نکاسی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ دروازے کے اندر ایک گلی ایک چوک کی طرف جاتی ہے جو "چوک جھنڈا" کے نام سے مشہور ہے، جہاں پرانے زمانے کے دیسی مصالحہ جات کا بہترین اسٹور "اوپل اسٹور" واقع تھا۔ کسی زمانے میں دروازے کے پیچھے ایک تنگ گلی موجود تھی جو کنور نونہال سنگھ کی حویلی کے باغ کی طرف جاتی تھی۔ آج اگرچہ اس باغ کے کوئی آثار باقی نہیں رہے لیکن حویلی اپنی کچھ تزئین و آرائش کے ساتھ اس قصے کو سنانے کے لیے موجود ہے۔ دروازے کے بالکل سامنے اردو بازار واقع ہے جو اپنے کاغذ، کتابوں اور اسٹیشنری کے لیے مشہور ہے۔ دروازے کے اندر دیگر مشہور مارکیٹوں میں مچھلی کی ایک بہت بڑی مارکیٹ شامل ہے جہاں مچھلی کی مختلف اقسام فروخت ہوتی ہیں، اور لاہور کی سرجیکل کے سامان کی سب سے بڑی مارکیٹ بھی یہیں ہے۔ اس دروازے کے رہائشی لکڑی کے فرنیچر کی پالش، جسے عام طور پر "لاکھ" کہا جاتا ہے، تیار کرنے کے لیے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ دروازے کے اندر پتنگیں اور ڈور بھی دستیاب ہیں جہاں دنیا بھر سے لوگ خاص طور پر بسنت منانے کے لیے آتے ہیں۔

﴾لاہور باغوں کا شہر﴿

1۔ گریٹر اقبال پارک

اس باغ کے مختلف ادوار میں مختلف نام رہے ہیں یہ باغ برطانوی دور 1910ء میں بنا تب اس کا نام منٹو پارک تھا منٹو پارک کی ایک بڑی اہم تاریخ ہے 23 مارچ 1940ء میں قائداعظم کی قیادت میں قرارداد لاہور جسے قرارداد پاکستان بھی کہا جاتا ہے منعقد ہوئی اس جلسے سے مسلمانوں کی سیاست میں ایک قوت پیدا ہوئی 1960ء میں مینار بنا

شروع ہوااور 1968ء میں وہ اپنی تکمیل کو پہنچا جس کولوگ یادگار بھی کہتے ہیں لیکن اصل نام مینار پاکستان ہے منٹو پارک میں کرکٹ جنون کی حد تک کھیلی جاتی تھی یہاں پہ پی سی بی کے ٹرائلز بھی ہوتے تھے اور یہ گراؤنڈ پتنگ بازی کے حوالے سے بھی جانی جاتی تھی ہم اپنے بڑوں سے سنتے تھے کہ یہاں پہ سینکڑوں کے حساب سے پتنگ اڑتی تھی اور آسمان میں ایک رنگ برنگا منظر ہوتا تھا اس کے ایک حصے کو گڈی گراؤنڈ بھی کہتے ہیں 2016ء میں سابق وزیراعظم نواز شریف کے دور میں اس پارک کی رینویشن ہوئی اور اس میں جھیل بنائی گئی کرکٹ کی پچز ختم کی گئی اور اس میں پاکستانی ہسٹری میوزیم بھی بنایا گیا شادی ہال اعلی سطح کے ریسٹورنٹ اور کیفیت بھی بنائے گئے اور اس کو شاہی قلعہ اور بادشاہی مسجد کے ساتھ ضم کر دیا گیا اس باغ میں موجود مشہور شاعر حفیظ جالندھری کی بھی قبر ہے اب اس پارک کا نام گریٹر اقبال پارک ہے۔

2۔ لارنس باغ

لارنس گارڈن 1860ء میں بننا شروع ہوا اور 1862ء میں اپنی تکمیل تک پہنچا لارنس کٹن کا نام سرجان لورنس کے نام پر رکھا گیا جو پنجاب کے پہلے چیف کمشنر اور لیفٹیننٹ گورنر تھے اور بعد میں انڈیا کے وائس رائے بن گئے 1864ء سے لے کے 1869ء تک وہ انڈیا کے وائسرائے رہے اس کو بٹنیکل گارڈن کے طور پر بنایا گیا تھا آج بھی جی سی یو لاہور کا بوٹینیکل گارڈن اس کے ساتھ ہے لارنس گارڈن جس کا اب نام باغِ جناب ہے اس کے بڑی مزیدار تاریخ ہے 1866ء میں Montgomery Hall کی تکمیل ہوئی جس کو اپ قائداعظم لائبریری بنا دیا گیا ہے یہ ایک انتہائی خوبصورت بلڈنگ ہے اور آپ اس کو باغ جناح کا چہرہ بھی کہہ سکتے 1876ء میں یہاں 80 ہزار درخت لگایا گیا پوری دنیا سے منگوا کر 600 الگ سپیشیز کے درخت لگے آج بھی آپ باغِ جناح جائیں تو آپ کو بہت بڑے نایاب اور قدیم درخت دیکھنے کو ملیں گے آج سے کئی سال پہلے جب میں گیا تو وہاں ایک درخت تھا اس درخت کے اندر ایسا فلوئڈ ہوتا ہے جو لکڑی کی کشتی کو جوڑنے کے لیے گلو (Adhesive) کے طور پر استعمال ہوتا ہے 141 ایکڑ پر مبنی یہ پارک ہے باغِ جناح کے بہت سے حصے ہیں اس میں موجود جم خانہ کلب بھی ہے جہاں لاہور کے ایلیٹس اور سیاست دان آتے ہیں جم خانہ کرکٹ کلب کی بھی ایک تاریخ ہے یہاں پہ فرسٹ کلاس میچز سے لے کر انٹرنیشنل میچز بھی ہوئے ہیں قضافی ا سٹیڈیم بننے سے پہلے یہی لاہور کا کرکٹ اسٹیڈیم تھا یہاں پہ پاکستان انڈیا سے لے کر ویسٹ انڈیز کے بھی میچز ہوئے ہیں انگلینڈ اسٹریلیا اور دیگر ممالک کی ٹیم بھی ادھر آتی تھی اور فرسٹ کلاس کرکٹ کھیلتی تھی لیکن بعد میں قذافی اسٹیڈیم بننے

کے بعد یہاں انٹرنیشنل میچز ہونا بند ہو گئے آج جم خانہ کرکٹ کلب میں جو pavilion تھا وہ اب کرکٹ میوزیم بنا دیا گیا ہے اس میں موجود پرانے زمانے کے بلے بال پیڈز اور دیگر کرکٹ کا سامان مشہور کھلاڑیوں کی کٹ سامان یہاں پر دیکھنے کو ملے گا یہ پاکستان کہ دو کرکٹ میوزیم میں سے ایک میوزیم ہے یہاں پر موجود ایک خوبصورت اور پرانی مسجد دارالسلام کے نام سے ہے وہاں پہ بین الاقوامی شہرت یافتہ قران کے مفسر اور داعی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ بھی درس دیا کرتے تھے۔ باغ جناح میرے پسندیدہ باغوں میں سے ایک باغ ہے آپ فجر کی نماز پڑھ کے ادھر ہیں اس کے وسیع وعریض ٹریک پر واک کریں صبح کی تازہ اور ٹھنڈی ہوا سے لطف لے اور بارہ دری والے گراونڈ میں ناشتہ کریں ایسا لگتا ہے جیسے روح تازہ ہو رہی ہے میرے کہنے پر یہ ضرور کر کے دیکھیں۔

3۔ جلو پارک

جلو پارک کی تاریخ نسبتاً جدید ہے اور یہ لاہور کے مشہور تفریحی مقامات میں شمار ہوتا ہے جلو پارک کو 1970ء کی دہائی میں قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد شہری آبادی کو قدرتی ماحول کے قریب لانا اور ایک پرسکون تفریحی جگہ فراہم کرنا تھا۔ اس پارک کو پنجاب وائلڈ لائف اینڈ پارکس ڈیپارٹمنٹ کے زیرِ انتظام بنایا گیا۔ یہ پارک تقریبا 450 ایکڑ پر مشتمل ہے۔

قدرتی ماحول:

یہاں سرسبز میدان، درختوں کی کثرت اور جھیل موجود ہے اور ایک بہت لمبا لال رنگ کا برتج جس سے دور تک نظر آتا ہے۔

چڑیا گھر (Mini Zoo):

پارک کے اندر ایک چھوٹا چڑیا گھر بھی قائم کیا گیا اس وقت یہ خستہ حالت میں ہے۔

بوٹینیکل گارڈن:

مختلف اقسام کے پودے اور پھول لگائے گئے اور اس میں موجود butterfly house اس کو نیاب بنا دیتا ہے۔

تفریحی سہولیات:

پکنک پوائنٹس، واکنگ ٹریکس اور بچوں کے کھیلنے کی جگہیں

4۔ ریس کورس پارک

ریس کورس پارک جس کا اب نام جیلانی پارک ہے یہ سابق گورنر پنجاب غلام جیلانی خان کے نام پر رکھا گیا ہے۔ 1985ء میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی یہ پارک جیل روڈ پر واقع ہے۔ برطانوی دور (آغاز): یہ جگہ اصل میں برطانوی دورِ حکومت میں 1885ء کے قریب گھڑ دوڑ (Horse Racing) کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اسی مناسبت سے اسے "ریس کورس" کہا جانے لگا۔

لاہور ریس کلب:

1924ء میں یہاں باقاعدہ طور پر لاہور ریس کلب قائم ہوا، جو برطانوی افسران اور مقامی اشرافیہ کی تفریح کا گڑھ بن گیا۔

منتقلی:

1976ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ریس کلب کو یہاں سے منتقل کرنے کا کہا گیا، لیکن باقاعدہ منتقلی 1980ء میں ہوئی۔ ریس کورس کو یہاں سے کوٹ لکھپت منتقل کر دیا گیا جہاں آج بھی گھڑ دوڑ ہوتی ہے۔

پارک کا قیام:

1980ء کی دہائی میں اس وسیع و عریض جگہ کو ایک عوامی پارک میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس وقت کے گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان نے اس کی تزئین و آرائش میں گہری دلچسپی لی۔ یہ پارک اپنی منفرد سہولیات کی وجہ سے مشہور ہے:

پھولوں کی نمائش:

یہاں ہر سال جشنِ بہاراں کے موقع پر گلِ داؤدی اور دیگر پھولوں کی شاندار نمائش لگتی ہے۔

مصنوعی جھیل اور آبشار:

پارک کے اندر ایک خوبصورت جھیل اور آبشار بنائی گئی ہے جو سیاحوں کی توجہ کا مرکز رہتی ہے۔

پولو لاؤنج:

ریس کورس کی یادگار کے طور پر یہاں مشہور "پولو لاؤنج" ریسٹورنٹ بھی موجود ہے۔

ٹریک:

یہاں دو بڑے جاگنگ ٹریکس ہیں جن میں سے ایک تقریباً 2.4 کلومیٹر طویل ہے۔

آج یہ پارک لاہور کی ثقافت کا ایک اہم حصہ ہے جہاں لوگ نہ صرف سیر وتفریح کے لیے آتے ہیں بلکہ یہ شہر کے "پھیپھڑوں" کا کام بھی کرتا ہے۔

5۔ ماڈل ٹاؤن پارک

ماڈل ٹاؤن پارک میرا پسندیدہ پارک ہے یہ لاہور کا سب سے زیادہ Maintained پارک ہے بچپن سے ادھر آ رہا ہوں اور ہمیشہ اس پارک کو بہتر ہوتے دیکھا ہے یہ پارک لاہور کے سینٹرل ایریا ماڈل ٹاؤن میں واقع ہے 1985ء میں یہ بننا شروع ہوا 1990ء میں تقریباً پانچ سال کی مدت میں یہ تکمیل کو پہنچا یہ پارک 125 ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے اور اس کا دو سے تین کلومیٹر کا ٹریک جو کہ ایشیا کا سب سے بڑا جوگنگ ٹریک ہے وہ یہاں پایا جاتا ہے یہاں پہ اپ کو چھوٹی سی جھیل دیکھنے کو ملے گی وہاں اپ کشتی بھی لے سکتے ہیں اور اس کا کیفٹیریا بہت ہی مناسب اور بہترین ہے یہ فیملی کے لیے بہترین پارک ہے۔

6۔ گلشن اقبال پارک

گلشن اقبال پارک علامہ اقبال ٹاؤن میں واقع ہے میری اس پارک کے ساتھ بچپن سے وابستگی ہے کیونکہ میری پیدائش بھی علامہ اقبال ٹاؤن کی ہی ہے اور میں نے اپنی زندگی کے پہلے پانچ سال وہیں گزارے ہیں میں زندگی میں پہلی مرتبہ سکول ٹرپ پر گلشن اقبال پارک گیا تھا وہ ایک حسین یاد ہے وہاں پہ موجود جھیل جھولے اور ٹرین بڑوں اور بچوں کے لیے لطف اندوز ہے اس پارک کی تاریخ نہایت افسوس ناک ہے 27 مارچ 2016ء کو اس پارک میں دھماکہ ہوا جس سے تقریبا 70 سے 80 بندہ شہید ہو گیا اور تین سو بندہ اس میں زخمی ہوا کچھ عرصے کے بعد اس میں رینوویشن ہوئی اور یہ گراؤنڈ پھر سے نیا جیسا ہو گیا یہ گراؤنڈ سپورٹس کے حوالے سے لاہور کا بہترین پارک ہے یہاں پہ انڈور سپورٹس کی بھی سہولت موجود ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ لاہور کا سب سے انڈر ریٹڈ (Under Rated) پارک ہے میں قارین سے کہوں گا کہ اس پارک کو ضرور وزٹ کریں۔

7۔ لاہور سفاری پارک

سفاری پارک میری وابستگی بچپن کی ہے یہ پارک میرے گھر سے ساڑھے تین کلومیٹر دور واقع ہے یہ پارک وقتاً فوقتاً بدلتا گیا ہے اور اس وقت یہ لاہور کے ان چند ایک پارک میں سے ہے جو بین الاقوامی معیار پر مبنی ہے پہلے اس پارک کا نام

وڈ لینڈ وائلڈ لائف پارک تھا۔اس کی بنیاد 1982ء میں رکھی گئی تھی لیکن اس کی ری اوپننگ یا آپ کہیں بحالی 2009ء میں ہوئی یہ لاہور کے واحد پارک میں سے تھا جس میں اندر کارپیٹڈ روڈز موجود تھی جس میں آپ اپنی گاڑی یا بائیک اندر لے کر جا سکتے تھے جو کہ عظیم سہولت تھی اس میں بہت سارے چھوٹے چھوٹے پارک تھے ہٹ بنی ہوئی تھی اور بے شمار جانور اور پرندے یہاں موجود تھے جیسے شیر وائٹ ٹائیگر، بلیک لیپرڈ، مگرمچھ، ریچھ، زیبرا، ہرن اور کئی اقسام کے پرندے تھے 2023ء میں کیئر ٹیکر وزیر اعلی محسن نقوی کے دور میں اس کو بند کیا گیا اور اس کو بین الاقوامی معیار کا پارک بنایا گیا تین مارچ 2024ء کو یہ پارک دوبارہ کھلا اور ایک نئے روپ میں دیکھنے کو ملا۔اب یہاں گاڑی اندر لے کر جانے کی جگہ تو نہیں تھی لیکن یقین کریں ادھر جا کر روح تازہ ہو جاتی ہے یہاں کی ٹکٹ تھوڑی سی زیادہ ہو گئی ہے لیکن پھر بھی (Worth it) یہاں پر اینٹر ہوتے ہی آپ استقبالیہ پر جاتے ہیں وہاں پہ چار اقسام کی ٹکٹ ہوتی ہیں نمبر ایک جنرل ٹکٹ جو کہ 100 روپے کی ہوتی ہے جس میں آپ کو صرف باغ تک کی رسائی ملتی ہے دوسری والی سفاری کی جو کہ 200 روپے کی ہوتی ہے اس میں آپ کو بیٹری والی گاڑی میں بٹھا کر تین مختلف جگہوں پر لے کے جایا جاتا ہے نمبر ایک جہاں پر ہرن اور پہاڑی بکرے موجود ہوتے ہیں ان کے میدان میں آپ کو لے کر جایا جاتا ہے وہاں سے گھما کر آپ کو ایک اور میدان میں لے کے جایا جاتا ہے جہاں پر نیل گائیں، 12 سنگا، شتر مرغ، زیبرا اور ہرن دیکھنے کو ملتے ہیں اور تیسری افریقن سفاری وہاں پر آپ کو بلیک بک اور دیگر اقسام کے ہرن دیکھنے کو ملتے ہیں اس کے بعد تیسرے نمبر والی ٹکٹ ایکویریم کی ہوتی ہے جو کہ 200 روپے کی ہوتی ہے جہاں پر آپ کو پوری دنیا سے امپورٹ شدہ نیا مچھلی دیکھنے کو ملتی ہے یہاں پہ آپ کو شارک فش بھی دیکھنے کو ملتی ہے اور چوتھی ٹکٹ لائنز سفاری کی ہوتی ہے جس کی قیمت 300 روپے ہوتی ہے وہاں پر اپ کو ایک Cage Car میں لیے کر جایا جاتا ہے وہاں پر شیر کھلے ہوتے ہیں اور انسان بند ہوتے ہیں وہ بھی ایک دلچسپ چیز ہے یہ لاہور کا واحد پارک ہے جو 24 گھنٹے کھلا ہوتا ہے لیکن اب کا پتہ نہیں یہ آپ انتظامیہ سے خود ہی کنفرم کر لیے گا۔

8۔ چڑیا گھر

ویسے تو یہ باغ نہیں ہے لیکن لاہور کے چڑیا گھر کا ذکر نہ ہو یہ ممکن نہیں لاہور چڑیا گھر کی سیر سب کو محظوظ کرتی ہے۔خصوصاً بچوں کو۔لاہور کا چڑیا گھر 1872ء میں برطانوی دور میں بنا یہ مین مال روڈ پر واقع ہے آج لاہور چڑیا گھر پاکستان کے اہم تفریحی مقامات میں شمار ہوتا ہے۔یہاں شیر، ہاتھی، ہرن، بندر، اور مختلف اقسام کے پرندے موجود

ہیں۔ یہ نہ صرف تفریح بلکہ تعلیمی مقصد کے لیے بھی اہم ہے۔2023- 2024 میں کیئر ٹیکر وزیر اعلی محسن نقوی کے دور میں لاہور چڑیا گھر میں بہت سی تبدیلیاں آئی اور اس میں بہت سی بہتری دیکھنے کو ملی ہے خاص طور پہ سنیک ہاؤس(Snake House) میں وہاں پر نایاب قسم کے سانپ اور ریکٹائز دیکھنے کو ملتے ہیں جو ایک طویل عرصے سے اس سنیک ہاؤس میں دیکھنے کو نہیں ملتے تھے اور یہاں کے ایکویریم کو بھی بہتر کیا گیا اور یہاں پہ وی آر ہاؤس(VR House) بھی بنایا گیا وہاں پر آپ کو ایک وی آر ہیڈ سیٹ پہنا کر ڈائناسور کا دور دکھایا جاتا ہے اور ایک شارٹ فلم دکھائی جاتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں ابھی بہت سی بہتری اس میں کی جا سکتی ہے۔

لاہور کے عجائب گھر

1۔ عجائب گھر

لاہور کا عجائب گھر(Lahore Museum) اپنی تاریخی اہمیت اور نوادرات کے مجموعے کے لحاظ سے پاکستان کے قدیم ترین اور اہم ترین عجائب گھروں میں سے ایک ہے۔اس کی تاریخ کے چند اہم پہلو درج ذیل ہیں:

قیام اور ابتدائی تاریخ:

اس کا قیام اصل میں 1864ء میں عمل میں آیا تھا، جب اسے پنجاب کی پہلی صنعتی نمائش کے لیے نمائش گاہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔

موجودہ عمارت:

عجائب گھر کی موجودہ عظیم الشان عمارت کی تعمیر 1890ء میں شروع ہوئی اور اس کا باقاعدہ افتتاح 1894ء میں ہوا۔

معمار:

اس عمارت کا ڈیزائن مشہور ماہرِ تعمیرات سر گنگا رام نے تیار کیا تھا، جبکہ اس کی تعمیر میں روایتی مغل اور برطانوی طرزِ تعمیر (Saracenic style-Indo) کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

گیلریز اور نوادرات:

عجائب گھر میں مختلف دور کے ہزاروں نایاب نوادرات موجود ہیں، جنہیں مختلف گیلریوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

گندھارا آرٹ:

یہاں دنیا کا مشہور ترین مجسمہ "فاقہ زدہ بدھ" (Fasting Siddhartha) موجود ہے، جو گندھارا آرٹ کا شاہکار مانا جاتا ہے۔

اسلامک گیلری:

یہاں قرآنی خطاطی کے نایاب نسخے، مغل دور کے سکّے اور ہتھیار موجود ہیں۔

سکھ اور برطانوی دور:

یہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور کے نوادرات اور برطانوی راج کی اشیاء بھی محفوظ ہیں۔

تحریکِ پاکستان گیلری:

اس حصے میں پاکستان کے قیام کی جدوجہد اور قائدِ اعظم سے وابستہ اشیاء نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں۔

اہم شخصیات سے وابستگی:

جان لاک ووڈ کپلنگ: مشہور برطانوی مصنف رڈیارڈ کپلنگ کے والد اس عجائب گھر کے پہلے کیوریٹر (Curator) تھے۔ رڈیارڈ کپلنگ نے اپنے مشہور ناول "کِم" (Kim) میں اس عجائب گھر کا تذکرہ "عجائب گھر" (Wonder House) کے نام سے کیا ہے۔

یہ عجائب گھر نہ صرف لاہور کی پہچان ہے بلکہ جنوبی ایشیا کی تاریخ اور ثقافت کا ایک بہت بڑا امین ہے۔

2۔ نیشنل میوزیم آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی

یہ عجائب گھر لاہور کے نام گوشوں میں سے ایک ہے اس کی بنیاد 1965ء میں رکھی گئی اور 1976ء میں اس کو عام عوام کے لیے کھول دیا گیا یہ لاہور کی معروف انجینئرنگ یونیورسٹی یو ای ٹی کے میں واقع ہے تقریباً گیارہ سال تک صرف انجینئرنگ کے طلبہ تک محدود رہنے کے بعد، 1976ء میں اسے باقاعدہ طور پر عام عوام کے لیے کھول دیا گیا۔ اس وقت یہاں صرف 50 کے قریب نمائشیں (Exhibits) موجود تھیں، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا گیا۔

توسیع اور موجودہ حیثیت:

میوزیم کی تاریخ میں توسیع کے چار اہم مراحل آئے ہیں:

نمائشوں میں اضافہ:

آج اس میوزیم میں 4 بڑی گیلریاں ہیں جن میں 500 سے زائد سائنسی ماڈلز، مشینیں اور پراجیکٹس موجود ہیں۔

انتظامی تبدیلی (2011):

پاکستان میں 18 ویں آئینی ترمیم کے بعد، 2011ء میں اس میوزیم کو حکومت پنجاب کے محکمہ سائنس اور تعلیم کے ماتحت کر دیا گیا۔

منفرد اعزاز:

یہ پاکستان کا واحد میوزیم ہے جو قومی سطح پر سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم اور شعور کے لیے کام کر رہا ہے۔

اہم خصوصیات اور مقاصد:

اس میوزیم کی تاریخ کا ایک بڑا مقصد عوام، بالخصوص اسکول اور کالج کے طلبہ میں سائنسی سوچ پیدا کرنا رہا ہے۔

3۔ نیشنل ہسٹری میوزیم پاکستان

نیشنل ہسٹری میوزیم پاکستان کی بنیاد 2016ء میں رکھی گئی یہ ایک جدید طرز کا بنا ہوا عجائب گھر ہے جہاں پر آپ کو ٹچ سکرین، ہیڈفونز دیکھنے کو ملتے ہیں یہاں پہ موجود برطانوی دور کے اشیاء دیکھنے کو ملتی ہیں اس عجائب گھر کا طرز اس طرح کا ہے جو مشکلات مسلمانوں کو برصغیر کے لوگوں کو ازادی کے وقت ائی اس کے اوپر اس میوزیم میں کام کیا گیا ہے اس مل کے اندر ایک ٹرین کا کیبن موجود ہے جس میں اپ کو وی ار ہیڈ سیٹ (VR Head Set) پہنا کر پاکستان کی آزادی کی ڈاکومنٹری دکھائی جاتی ہے۔ اس میں آپ فوجی تمغوں اور سپورٹس کی قدیم ایکوپمنٹس دیکھنے کو ملتی ہیں۔

4۔ علامہ اقبال ہاؤس میوزیم

لاہور میں علامہ اقبال ہاؤس میوزیم، جسے "جاوید منزل" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کی آخری رہائش گاہ ہے۔ اس کی تاریخ اور اہم معلومات درج ذیل ہیں:

تعمیر اور رہائش:

تعمیر:

علامہ اقبال نے یہ مکان 1935ء میں لاہور کے میو روڈ (جو اب علامہ اقبال روڈ کہلاتا ہے) پر تعمیر کروایا تھا۔ یہ مکان تقریباً 7 کنال کے رقبے پر محیط ہے۔

نام کی وجہ:

انہوں نے اس گھر کا نام اپنے صاحبزادے جاوید اقبال کے نام پر "جاوید منزل" رکھا تھا۔ لاہور میں موجود علامہ اقبال کی رہائش گاہوں میں سے صرف یہی وہ واحد گھر تھا جو ان کی اپنی ملکیت تھا۔

آخری ایام:

علامہ اقبال مئی 1935ء میں میکلوڈ روڈ سے یہاں منتقل ہوئے اور اپنی وفات (21 اپریل 1938ء) تک کے آخری تین سال اسی گھر میں گزارے۔

میوزیم میں تبدیلی:

قومی یادگار:

1977ء میں علامہ اقبال کے صد سالہ یومِ پیدائش کے موقع پر حکومتِ پاکستان نے اسے قومی یادگار قرار دیا۔

خریداری:

حکومت نے یہ عمارت جاوید اقبال سے 35 لاکھ روپے میں خریدی تاکہ اسے ایک میوزیم کی شکل دی جا سکے۔

افتتاح:

اس میوزیم کا باقاعدہ افتتاح دسمبر 1984ء میں اس وقت کے صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاالحق نے کیا تھا۔

میوزیم کے اہم حصے اور نوادرات:

میوزیم میں کل نو گیلریاں ہیں جہاں علامہ اقبال کے ذاتی استعمال کی اشیاء رکھی گئی ہیں۔

ذاتی اشیاء:

ان کا بستر، کرسیاں، پاسپورٹ، چشمہ، قلم، قلم دان، گھڑی، جوتے اور لباس (جیسے سوٹ، شیروانی اور ترکی ٹوپی) یہاں محفوظ ہیں۔

تحریریں:

یہاں علامہ اقبال کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اصل مسودات، خطوط، ڈگریاں، میڈلز اور تصاویر بھی نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں۔

تاریخی اہمیت:

اسی گھر میں علامہ اقبال کی قائداعظم محمد علی جناح اور مادرِ ملت فاطمہ جناح سے اہم ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں۔
یہ میوزیم آج بھی محققین، طلبہ اور علامہ اقبال سے عقیدت رکھنے والوں کے لیے ایک اہم علمی اور تاریخی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

5۔ آرمی میوزیم

لاہور آرمی میوزیم پاکستان کے اہم ترین فوجی عجائب گھروں میں سے ایک ہے، جو نہ صرف پاک فوج کی تاریخ بلکہ برصغیر کی عسکری وراثت کا بھی امین ہے۔ اس کی تاریخ اور اہمیت کے حوالے سے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

قیام اور پس منظر:

لاہور آرمی میوزیم کا قیام ستمبر 2017ء میں عمل میں آیا۔ اس کا افتتاح اس وقت کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل قمر جاوید باجوہ نے کیا تھا۔ اس میوزیم کو بنانے کا بنیادی مقصد عوام خصوصاً نوجوان نسل کو پاکستان کی عسکری تاریخ، شہداء کی قربانیوں اور جنگی فتوحات سے روشناس کروانا ہے۔

میوزیم کے اہم حصے (گیلریز)

میوزیم کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو تاریخ کے مختلف ادوار کی عکاسی کرتے ہیں:

قدیم عسکری تاریخ: اس حصے میں برصغیر میں استعمال ہونے والے قدیم ہتھیاروں، تلواروں اور ڈھالوں کی نمائش کی گئی ہے۔

تحریکِ پاکستان گیلری:

یہاں قیامِ پاکستان کی جدوجہد اور ہجرت کے دوران پیش آنے والے واقعات کو تصاویر اور ماڈلز کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔

پاک بھارت جنگیں (1948، 1965، 1971):

ان گیلریز میں جنگوں کے دوران استعمال ہونے والا سامان، نقشے اور دشمن سے چھینے گئے ٹینک اور جہاز رکھے گئے ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ:

ایک خصوصی حصہ "آپریشن ضربِ عضب" اور "ردالفساد" کے لیے وقف ہے، جس میں دہشت گردی کے خلاف پاک فوج کی کامیابیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

نشانِ حیدر گیلری:

یہ حصہ پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز پانے والے شہداء کی زندگی اور ان کی بہادری کے قصوں کے لیے مختص ہے۔

نمایاں خصوصیات:

میوزیم کی عمارت اور اس کا اندرونی نقشہ جدید تقاضوں کے مطابق تیار کیا گیا ہے:

حقیقی ماڈلز:

یہاں جنگی میدانوں کے ایسے مناظر (Dioramas) بنائے گئے ہیں جو دیکھنے والے کو حقیقت کا احساس دلاتے ہیں، جیسے کہ سیاچن گلیشیر کے سخت حالات۔

بیرونی نمائش:

میوزیم کے باہر کھلے صحن میں مختلف قسم کے ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور وہ بھارتی ٹینک بھی موجود ہیں جو پاک فوج نے جنگوں کے دوران قبضے میں لیے تھے۔

تعلیمی اہمیت:

یہ میوزیم محققین اور تاریخ کے طلباء کے لیے معلومات کا ایک بڑا ذریعہ ہے، جہاں دستاویزات اور تصاویر کی صورت میں مستند ریکارڈ موجود ہے۔

6۔ فقیر خانہ میوزیم

لاہور کے قدیم اور تاریخی علاقے بھاٹی گیٹ کے اندر واقع فقیر خانہ میوزیم نہ صرف پاکستان بلکہ جنوبی ایشیا کا سب سے بڑا نجی میوزیم (Private Museum) ہے۔ یہ میوزیم فقیر خاندان کی چھٹی نسل کی ملکیت ہے، جو گزشتہ دو صدیوں سے اس تاریخی ورثے کی حفاظت کر رہی ہے۔

اس کی تاریخ اور اہمیت کے چند نمایاں پہلو درج ذیل ہیں:

پس منظر اور فقیر خاندان:

اس میوزیم کی بنیاد فقیر خاندان نے رکھی، جن کا تعلق لاہور کے ان بااثر خاندانوں سے تھا جو سکھ دورِ حکومت میں اہم عہدوں پر فائز تھے۔ خصوصاً فقیر عزیز الدین، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قریبی مشیر اور وزیرِ خارجہ تھے۔ اس خاندان نے رنجیت سنگھ کے عہد میں قیمتی تحائف، نوادرات اور تاریخی اشیاء جمع کرنا شروع کیں۔

عمارت کی تاریخ:

فقیر خانہ میوزیم جس عمارت میں قائم ہے، وہ بذاتِ خود فنِ تعمیر کا ایک شاہکار ہے۔ یہ ایک حویلی ہے جو تقریباً دو سو سال پرانی ہے۔ اسے 1901ء میں باقاعدہ طور پر عوام کے لیے کھولا گیا تھا، تاہم اسے ایک نجی رہائش گاہ کے طور پر برقرار رکھا گیا تاکہ اس کا خاندانی تقدس اور روایتی ماحول برقرار رہے۔

نوادرات کا مجموعہ:

اس میوزیم میں تقریباً 30 ہزار سے زائد نوادرات موجود ہیں، جن میں درج ذیل شامل ہیں:

تصویریں اور فن پارے:

یہاں مغل، سکھ اور برطانوی دور کی نایاب پینٹنگز موجود ہیں۔

بدھ مت کے آثار:

گندھارا آرٹ کے قیمتی نمونے اور مٹی کے مجسمے۔

اسلامی خطاطی:

قرآن پاک کے نایاب قلمی نسخے، جن میں سے بعض ہرن کی کھال پر لکھے گئے ہیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اشیاء:

رنجیت سنگھ کے زیرِ استعمال لباس، ہتھیار اور فرنیچر۔

خزف (Ceramics):

قدیم چینی اور جاپانی برتنوں کا وسیع مجموعہ۔

انفرادی حیثیت:

اس میوزیم کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ یہ کسی سرکاری ادارے کے تحت نہیں، بلکہ فقیر خاندان کے ذاتی وسائل سے چل رہا ہے۔اس کے موجودہ منتظمین (جیسے فقیر سیف الدین) اس کی دیکھ بھال اور سیاحوں کی رہنمائی کا فریضہ بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔

عالمی شہرت:

دنیا بھر سے مورخین، فن کار اور سیاح لاہور کے اس پوشیدہ خزانے کو دیکھنے آتے ہیں۔یہ میوزیم لاہور کی ثقافتی تاریخ اور مختلف مذاہب و تہذیبوں کے بقائے باہمی کی ایک زندہ مثال ہے۔اگر آپ وہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، تو یہ عمارت لاہور کے بھاٹی دروازے کے قریب واقع ہے اور وہاں کا ماحول آپ کو صدیوں پرانی تاریخ میں واپس لے جائے گا۔

لاہور کا ریلوے اسٹیشن

لاہور ریلوے اسٹیشن نہ صرف پاکستان کا ایک اہم ٹرانسپورٹ حب ہے، بلکہ یہ برطانوی عہد کی تعمیراتی مہارت اور خطے کی تاریخ کا ایک خاموش گواہ بھی ہے۔

اس کی تاریخ کے چند اہم پہلو درج ذیل ہیں:

تعمیر کا پس منظر (1850ء کی دہائی):

برطانوی راج میں 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں کو احساس ہوا کہ فوج کی تیزی سے نقل و حرکت اور تجارت کے لیے ریلوے کا نظام ناگزیر ہے۔اسی ضرورت کے تحت لاہور
اور امرتسر کے درمیان پہلی ریل پٹری بچھانے کا کام شروع ہوا۔

قلعہ نما ڈیزائن:

لاہور ریلوے اسٹیشن کی تعمیر 1859ء میں شروع ہوئی اور یہ 1860ء میں مکمل ہوا۔اس کی سب سے خاص بات اس کا قلعہ نما ڈیزائن ہے۔چونکہ یہ 1857ء کی جنگ کے فوراً بعد تعمیر ہوا تھا، اس لیے اسے ایک دفاعی قلعے کے طور پر بنایا گیا تھا۔اس کی دیواریں بے حد موٹی ہیں اور ان میں بندوقوں کے لیے چھوٹے سوراخ (Loopholes) رکھے گئے تھے تاکہ کسی بھی بغاوت کی صورت میں اسے دفاعی مورچے کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔اس کے بڑے مینار اور برجیوں کا مقصد بھی نگرانی اور دفاع تھا۔

برصغیر کا پہلا بڑا ریلوے جنکشن:

لاہور ریلوے اسٹیشن برصغیر کے قدیم ترین اور بڑے اسٹیشنوں میں شمار ہوتا ہے۔ 1861ء میں جب پہلی ٹرین لاہور سے امرتسر کے لیے روانہ ہوئی، تو اس نے پنجاب میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اسے دہلی، پشاور اور کراچی سے جوڑ دیا گیا، جس سے یہ پورے شمال مغربی ہندوستان کا مرکزی جنکشن بن گیا۔

قیامِ پاکستان اور 1947ء کے واقعات:

لاہور ریلوے اسٹیشن کی تاریخ کا سب سے جذباتی وقت کا المیہ حصہ 1947ء کی ہجرت ہے۔ تقسیمِ ہند کے وقت یہ اسٹیشن لاکھوں مہاجرین کی آمدورفت کا مرکز تھا۔ یہاں سے ایسی ٹرینیں گزریں جو تاریخ کے بڑے انسانی المیوں کی گواہ تھیں، اور یہی وہ مقام تھا جہاں ہزاروں خاندانوں نے اپنی نئی زندگی کی پہلی صبح دیکھی۔

آج یہ اسٹیشن پاکستان ریلوے کا سب سے مصروف ترین اسٹیشن ہے اس اسٹیشن میں 31 platform موجود ہے جو ک پاکستان کے باقی ریولوے اسٹیشن کی نسبت سب سے زیادہ ہے۔ جہاں سے روزانہ درجنوں ٹرینیں ملک کے طول و عرض میں جاتی ہیں۔ یہ محض ایک عمارت نہیں بلکہ ڈیڑھ سو سال سے زیادہ پر محیط ایک زندہ تاریخ ہے جس نے کئی نسلوں کو بچھڑتے اور ملتے دیکھا ہے۔

لاہور تعلیمی مرکز

(Education Hub)

لاہور کو "تعلیم کا مرکز" (Education Hub) کہنا بالکل بجا ہے، کیونکہ اس شہر کی تعلیمی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔ لاہور کی علمی حیثیت آج سے نہیں بلکہ مغلیہ دور اور برطانوی راج سے مستحکم ہے۔

لاہور میں ہر قسم کا تعلیمی مرکز ہے چاہے وہ میڈیکل کا شعبہ ہو یا انجینئرنگ کا یا لاء کا یا مذہبی تعلیم کیوں نہ ہو یہاں پہ عظیم درسگاہیں پائی جاتی ہیں اگر ہم لاہور کی درگاہوں کا تذکرہ کرے تو اس کے لیے ایک علیحدہ سے ایک کتاب مرتب کرنی پڑے گی۔

تاریخی طور پر یہ شہر علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے، جہاں برصغیر کے عظیم مفکرین، ادیبوں اور سائنسدانوں نے تربیت پائی۔ آج کے دور میں بھی لاہور کی سڑکیں اور گلیوں میں تعلیمی ادارے اس کثرت سے موجود ہیں کہ یہاں ملک کے ہر کونے سے طالب علم علم کی پیاس بجھانے کے لیے کھنچے چلے آتے ہیں۔

اس شہر کی انفرادیت یہاں موجود قدیم اور جدید تعلیمی اداروں کا حسین امتزاج ہے۔ایک طرف گورنمنٹ کالج یونیورسٹی (GCU) اور پنجاب یونیورسٹی جیسے تاریخی ادارے ہیں۔جنہوں نے کئی نسلوں کی فکری آبیاری کی ہے،تو دوسری طرف لمز (LUMS) اور یو ای ٹی (UET) جیسے جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ادارے ہیں جو ٹیکنالوجی، بزنس اور مینجمنٹ میں عالمی معیار کی تعلیم فراہم کر رہے ہیں۔لاہور میں اسکول کی سطح سے لے کر پی ایچ ڈی تک کے لیے بہترین سہولیات میسر ہیں،اور یہاں کا بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن ملک کے بڑے امتحانی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔

صرف ڈگریوں کا حصول ہی نہیں، بلکہ لاہور کا تعلیمی ماحول طلبہ کی ہمہ جہت شخصیت سازی میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہاں کے کتب خانے، جیسے کہ قائد اعظم لائبریری اور پنجاب پبلک لائبریری، محدث لائبریری (Model town) محققین اور کتاب دوستوں کے لیے جنت سے کم نہیں۔

1۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی (KEMU)

کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی (KEMU) لاہور نہ صرف پاکستان بلکہ جنوبی ایشیا کے قدیم ترین اور معتبر ترین طبی اداروں میں سے ایک ہے۔اس کی تاریخ خدمات،مہارت اور طبی ترقی کی ایک طویل داستان ہے۔

آغاز اور قیام:

کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی کی بنیاد 1860ء میں "لاہور میڈیکل اسکول" کے نام سے رکھی گئی۔ یہ برطانوی راج کے دوران برصغیر کا دوسرا طبی ادارہ تھا (پہلا کلکتہ میڈیکل کالج تھا)۔اس کا بنیادی مقصد مقامی لوگوں کو طب کی جدید تعلیم دینا تھا۔

تاریخی ارتقاء:

1886ء میں لاہور میڈیکل اسکول "لاہور میڈیکل کالج" کا درجہ دے دیا گیا۔ 1911ء میں برطانیہ کے بادشاہ کنگ ایڈورڈ ہفتم کی یاد میں اس کا نام تبدیل کر کے " کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج" رکھ دیا گیا۔1915ء میں کالج کی موجودہ شاندار عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی، جو برطانوی اور اسلامی طرزِ تعمیر کا ایک حسین امتزاج ہے۔

یونیورسٹی کا درجہ:

ایک طویل عرصے تک پنجاب یونیورسٹی سے ملحق رہنے کے بعد، 12 مئی 2005 کو حکومت پنجاب نے اسے مکمل یونیورسٹی کا درجہ دے دیا۔اس کے پہلے وائس چانسلر پروفیسر ممتاز حسن (ستارہِ امتیاز) تھے۔

وابستہ ہسپتال (میو ہسپتال):

کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی کے ساتھ میو ہسپتال (Mayo Hospital) منسلک ہے، جس کا قیام 1871 میں عمل میں آیا۔ یہ پاکستان کے سب سے بڑے ہسپتالوں میں سے ایک ہے جہاں ہر سال لاکھوں مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔

2۔ پنجاب یونیورسٹی (University of the Punjab)

پنجاب یونیورسٹی (University of the Punjab) پاکستان کی قدیم ترین اور تاریخی لحاظ سے اہم ترین درسگاہوں میں سے ایک ہے۔اس کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

قیام اور ابتدائی دور:

تاریخِ قیام: پنجاب یونیورسٹی 14 اکتوبر 1882ء کو لاہور میں قائم کی گئی۔منفرد اعزاز: یہ برصغیر کے مسلم اکثریتی علاقوں میں قائم ہونے والی پہلی جدید یونیورسٹی تھی۔اس کے قیام کا بنیادی مقصد برصغیر میں اعلیٰ تعلیم کا فروغ تھا۔

بنیاد:

اس یونیورسٹی کے قیام کے لیے انجمنِ پنجاب اور ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر (Dr. G.W. Leitner) نے بھرپور جدوجہد کی۔

تاریخی مقامات (کیمپس):

یونیورسٹی کے دو بنیادی کیمپس ہیں جو اپنی اپنی تاریخ رکھتے ہیں:

Old campus (علامہ اقبال کیمپس):

یہ لاہور کے مال روڈ پر واقع ہے اور اپنی قدیم برطانوی طرزِ تعمیر (Gothic style) کی وجہ سے مشہور ہے۔اس کا نام مشہور شاعر علامہ اقبال کے نام پر رکھا گیا، جو یہاں تدریس سے وابستہ رہے۔

New campus (قائداعظم کیمپس):

اس کی بنیاد 1960 کی دہائی میں کینال روڈ کے پاس رکھی گئی۔ یہ رقبے کے لحاظ سے بہت وسیع ہے اور یہاں زیادہ تر انتظامی دفاتر اور تدریسی شعبے موجود ہیں۔

علمی و ادبی خدمات:

پنجاب یونیورسٹی نے علم و ادب کے میدان میں کئی بڑی شخصیات پیدا کی ہیں:

نامور شخصیات:

ڈاکٹر علامہ اقبال، ڈاکٹر عبدالسلام (نوبل انعام یافتہ)، اور شیخ زبیر علی زاء جیسے عظیم نام اس ادارے سے وابستہ رہے۔

تحقیق و تالیف:

قیامِ پاکستان کے بعد سے یہ ادارہ پاکستان کی تعلیمی پالیسیوں اور تحقیقی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔

3۔ لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS)

لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS) پاکستان کے بہترین اور معروف تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے۔ لمز (LUMS) لاہور میں واقع ایک نجی شعبے کی یونیورسٹی ہے جس کا قیام 1985 میں عمل میں آیا۔ اس کا مقصد پاکستان میں عالمی معیار کی تعلیم اور تحقیق کو فروغ دینا ہے۔

تعلیمی شعبے:

یونیورسٹی میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق تعلیم دی جاتی ہے، جن میں درج ذیل اسکول نمایاں ہیں:

سلیمان داؤد اسکول آف بزنس (SDSB)

مشتاق احمد گورمانی اسکول آف ہیومینٹیز اینڈ سوشل سائنسز (MGSHSS)

سید بابر علی اسکول آف سائنس اینڈ انجینئرنگ (SBASSE)

شیخ احمد حسن اسکول آف لا (SAHSOL)

سید احسن علی اور سید مراتب علی اسکول آف ایجوکیشن (SOE)

امتیازی خصوصیات:

اعلیٰ معیار: یہ یونیورسٹی اپنے سخت تعلیمی معیار اور بہترین اساتذہ کی وجہ سے پوری دنیا میں جانی جاتی ہے۔

تحقیق اور جدت:

یہاں طلباء کو صرف کتابی علم ہی نہیں بلکہ عملی تحقیق اور تنقیدی سوچ کی ترغیب دی جاتی ہے۔

فنانشل ایڈ (مالی امداد):

لمز اپنے "نیشنل آؤٹ ریچ پروگرام" (NOP) کے ذریعے مستحق اور ذہین طلباء کو وظائف فراہم کرتا ہے تا کہ مالی حالات تعلیم کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔

مختصر یہ کہ لمز نہ صرف پاکستان بلکہ خطے میں ایک ممتاز علمی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے فارغ التحصیل طلباء دنیا بھر میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔

4۔ ایچی سن کالج لاہور (Aitchison College)

ایچی سن کالج لاہور کی تاریخ کے چند اہم پہلو درج ذیل ہیں:

ایچی سن کالج: ایک مختصر پسِ منظر

ایچی سن کالج پاکستان کے قدیم ترین اور مشہور ترین تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے۔ اس کا قیام برطانوی دورِ حکومت میں 1886ء میں عمل میں آیا۔

تاریخی ارتقاء

آغاز:

اس ادارے کی بنیاد دراصل "چیفس کالج" کے طور پر رکھی گئی تھی۔ اس کا مقصد پنجاب کے رؤساء اور شاہی خاندانوں کے بچوں کو اعلیٰ معیار کی تعلیم اور تربیت فراہم کرنا تھا۔

سر چارلس ایچی سن: اس کالج کا نام اس وقت کے لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سر چارلس امفرسٹن ایچی سن کے نام پر رکھا گیا، جنہوں نے اس ادارے کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا۔

سنگِ بنیاد:

کالج کی موجودہ عمارت کا سنگِ بنیاد 20 مارچ 1886ء کو وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن نے رکھا۔

طرزِ تعمیر:

ایچی سن کالج کی عمارتیں اپنی خوبصورتی اور تاریخی اہمیت کی بنا پر مشہور ہیں۔

5۔ گورنمنٹ کالج لاہور (GCU)

گورنمنٹ کالج لاہور کا قیام یکم جنوری 1864ء کو عمل میں آیا۔ اس کا پہلا کیمپس راجہ دھیان سنگھ کی حویلی (لاہور قلعہ کے قریب) میں تھا، جہاں صرف 9 طلبہ اور 3 اساتذہ سے کلاسز کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر جی ڈبلیو لیٹنر (Dr. G.W. Leitner) اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔

موجودہ عمارت کی تعمیر:

کالج کی موجودہ مشہور عمارت، جو اپنی گوتھک طرزِ تعمیر (Gothic Architecture) کے لیے جانی جاتی ہے، 1877ء میں مکمل ہوئی۔ اس کی اونچی محرابیں، کلاک ٹاور اور سرخ اینٹوں کا کام اسے لاہور کی خوبصورت ترین تاریخی عمارتوں میں سے ایک بناتا ہے۔

یونیورسٹی کا درجہ:

ایک طویل عرصے تک یہ ادارہ پنجاب یونیورسٹی سے الحاق شدہ رہا، لیکن اس کی تعلیمی خدمات اور تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر 2002ء میں حکومتِ پنجاب نے اسے یونیورسٹی کا درجہ دے دیا۔

نمایاں خصوصیات اور روایات:

مشہور نعرہ: اس ادارے کا مشہور لاطینی نعرہ "Courage to Know" (جاننے کی ہمت) ہے، جو طلبہ کو علم کی جستجو کی ترغیب دیتا ہے۔

نامور شخصیات:

یہاں سے ایسی عظیم شخصیات نے تعلیم حاصل کی جنہوں نے دنیا بدل دی۔ ان میں شاعرِ مشرق علامہ اقبال، نوبل انعام یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام اور ڈاکٹر ہر گوبند کھرانہ شامل ہیں۔

6۔ یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی (UET)

UET لاہور پاکستان کے قدیم ترین اور معتبر ترین تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے۔اس کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

UET لاہور کا آغاز 1923ء میں مغلپورہ ٹیکنیکل کالج کے طور پر ہوا۔اس وقت اس کا مقصد ریلوے اور پی ڈبلیو ڈی (PWD) کے لیے ٹیکنیشنز اور انجینئرز تیار کرنا تھا۔1923ء کے آخر میں پنجاب کے اس وقت کے گورنر سر ایڈورڈ میکلیگن کے نام پر اس کا نام میکلیگن انجینئرنگ کالج رکھ دیا گیا۔

پہلے شعبے:

ابتدا میں یہاں صرف الیکٹریکل اور مکینیکل انجینئرنگ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اعلیٰ تعلیم: 1932ء میں یہ کالج پنجاب یونیورسٹی سے منسلک ہوگیا، جس کے بعد یہاں انجینئرنگ میں ڈگری پروگرامز کا آغاز ہوا۔

یونیورسٹی کا درجہ:

قیامِ پاکستان کے بعد اس کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوا اور 1961ء میں اسے باقاعدہ طور پر ایک یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا، جس کا نام "ویسٹ پاکستان یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی" رکھا گیا۔

موجودہ حیثیت:

1972ء میں اس کا نام تبدیل کر کے یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی (UET) لاہور رکھ دیا گیا۔آج یہ یونیورسٹی نہ صرف لاہور بلکہ کالا شاہ کاکو، فیصل آباد، نارووال ، ٹیکسلا اور گوجرانوالہ میں بھی اپنے کیمپسز کے ذریعے ہزاروں طلبہ کو جدید انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی کی تعلیم فراہم کر رہی ہے۔

7۔ نیشنل کالج آف آرٹس (NCA)

نیشنل کالج آف آرٹس کا قیام 1875ء میں "میو اسکول آف انڈسٹریل آرٹس" کے نام سے عمل میں آیا۔اس کا نام اس وقت کے برطانوی وائسرائے لارڈ میو کے نام پر رکھا گیا تھا۔اس اسکول کے قیام کا بنیادی مقصد برصغیر کے روایتی فنون اور دستکاری کو فروغ دینا اور انہیں جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالنا تھا۔جان لاک ووڈ کپلنگ کا کردار مشہور مصنف روڈیارڈ کپلنگ کے والد جان لاک ووڈ کپلنگ اس ادارے کے پہلے پرنسپل تھے۔انہوں نے مقامی فن کاروں اور دستکاروں کو تعلیمی دھارے میں شامل کرنے کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔

میواسکول سے NCA تک قیامِ پاکستان کے بعد، 1958ء میں اس ادارے کو" نیشنل کالج آف آرٹس" کا درجہ دیا گیا اور اسے وزارتِ تعلیم کے زیرِ انتظام لایا گیا۔اس تبدیلی کے بعد یہاں صرف دستکاری تک محدود رہنے کے بجائے آرکیٹیکچر (فنِ تعمیر)، فائن آرٹس اور ڈیزائننگ کے جدید شعبوں کا آغاز کیا گیا۔

عمارت کی اہمیت:

لاہور میں واقع اس کی تاریخی عمارت خود فنِ تعمیر کا ایک شاہکار ہے۔ یہ مال روڈ پر لاہور میوزیم کے بالکل ساتھ واقع ہے۔اس کی ڈیزائننگ میں مقامی اور نوآبادیاتی (Colonial) طرزِ تعمیر کا امتزاج نظر آتا ہے۔

8۔ فارمین کرسچین کالج (یونیورسٹی) (FCCU)

درحقیقت، فارمین کرسچین کالج (یونیورسٹی) لاہور کی تاریخ بہت متاثر کن اور قدیم ہے۔ یہ برصغیر کے چند قدیم ترین تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے۔

ذیل میں اس کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے:

آغاز اور بنیاد (1864ء):

ایف سی کالج کی بنیاد 1864ء میں امریکی مشنری ڈاکٹر چارلس ولیم فارمین نے رکھی۔شروع میں اس کا نام "لاہور مشن کالج" تھا، لیکن بعد میں ان کی خدمات

کے اعتراف میں اس کا نام تبدیل کر کے فارمین کرسچین کالج رکھ دیا گیا۔

ترقی کے اہم سنگ میل

پہلی گریجویشن:

1868ء میں اس کالج نے اپنی پہلی ڈگری دی، جس کا الحاق اس وقت کلکتہ یونیورسٹی سے تھا۔

موجودہ کیمپس:

شروع میں یہ کالج رنگ محل (اندرون لاہور) میں تھا، لیکن 1940ء میں اسے کینال روڈ پر موجودہ وسیع وعریض جگہ پر منتقل کر دیا گیا، جو کہ 100 ایکڑ سے زائد رقبے پر محیط ہے۔

قومیانہ(Nationalization):

1972ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں اسے سرکاری تحویل میں لے لیا گیا، جس سے اس کی مشنری حیثیت عارضی طور پر ختم ہوگئی۔

واپسی اور یونیورسٹی کا درجہ:

سال 2003ء میں صدر پرویز مشرف کے دور میں یہ ادارہ دوبارہ چرچ آف پاکستان کے حوالے کر دیا گیا اور اسے باقاعدہ یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔

9۔ جامعہ اشرفیہ لاہور

جامعہ اشرفیہ لاہور، پاکستان کے اہم ترین اور قدیم ترین دینی تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے، جو دیوبندی مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔

قیام اور پس منظر:

جامعہ اشرفیہ کا قیام 14 ستمبر 1947ء کو عمل میں آیا۔ اس کی بنیاد معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی، جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ خاص تھے۔ اسی مناسبت سے اس ادارے کا نام "اشرفیہ" رکھا گیا۔

تاریخی ارتقاء

آغاز:

ابتدا میں یہ مدرسہ لاہور کے علاقے نیلا گنبد (انارکلی) میں ایک کرائے کی عمارت میں شروع کیا گیا تھا۔

منتقلی:

1955ء میں فیروز پور روڈ پر ایک وسیع قطعہ اراضی خریدا گیا، جہاں 1958ء میں جامعہ کی عظیم الشان عمارت اور مسجد (حسن مسجد) کی بنیاد رکھی گئی۔

سنگ بنیاد:

اس جامع مسجد کا سنگ بنیاد اس وقت کے نامور علما بشمول مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے رکھا۔

تعلیمی خدمات اور شعبہ جات:

جامعہ اشرفیہ محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک مکمل تعلیمی مرکز ہے جہاں درج ذیل شعبہ جات کام کر رہے ہیں:

درسِ نظامی:

عالم اور فاضل کورسز (میٹرک سے ایم اے کے مساوی)۔

تخصص (Specialization):

فقہ (افتاء)، حدیث، اور عربی ادب میں مہارت۔

حفظ و تجوید:

قرآن کریم کو حفظ کرنے اور قرائت کے ساتھ پڑھنے کا شعبہ۔

شعبہِ نشر و اشاعت:

دینی کتب اور ماہنامہ "الاشرف" کی اشاعت۔

جدید تعلیم:

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم اور کمپیوٹر کورسز کی سہولت۔

بین الاقوامی شناخت: یہاں نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر سے طلبہ حصولِ علم کے لیے آتے ہیں۔

10۔ جامعہ لاہور اسلامیہ (رحمانیہ)

ویسے تو یہ ادارہ باقی اداروں کی طرح وسیع وعریض تو نہیں ہے لیکن اس ادارے نے بہت سے مشائخ اور استاد العلماء پیدا کے ہے اس کی دو شاخیں ہے ایک گارڈن ٹاؤن میں دوسری شاخ خیابان جناح روڈ پر۔اس کی بنیاد ڈاکٹر عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ اور حافظ عبدالوحید روپڑی نے رکھی۔اس ادارے کو مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کروانے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ لاہور میں سلفی منہج کی نامور درسگاہ ہے اس ادارے نے مفتی مبشر احمد ربانی، حافظ ثناء اللہ مدنی، قاری ابراہیم میر محمدی اور ڈاکٹر اجمل بھٹی جیسے نامور علما پیدا کیے ہے۔

لاہوراور تصوف

لاہور کا تصوف سے گہرا تعلق ہے یہاں پر بہت سے اولیا اکرام کے مزارات موجود ہے جہاں لاکھوں کروڑوں عقیدت مند آتے ہے حاضری دیتے ہے لاہور میں بہت سے مزارات ہیں لیکن اس باب میں صرف چار کا تذکرہ کروں گا۔

1۔ داتا دربار

داتا دربار لاہور برصغیر پاک و ہند کے قدیم ترین اور سب سے زیادہ دیکھے جانے والے صوفی مزارات میں سے ایک ہے۔ یہ مزار حضرت ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویریؒ کا ہے، جنہیں عام طور پر داتا گنج بخش کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

داتا دربار کی مختصر تاریخ اور اہمیت درج ذیل ہے:

حضرت داتا گنج بخشؒ کی آمد:

حضرت علی ہجویریؒ 11 ویں صدی عیسوی میں افغانستان کے علاقے غزنی سے لاہور تشریف لائے۔ آپ سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان ناصرالدین کے دور میں یہاں پہنچے۔

مزار کی تعمیر اور توسیع:

آغاز:

جب آپ کا وصال 1072ء (465 ہجری) میں ہوا، تو آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ قیام پذیر تھے۔ ابتدا میں مزار کی عمارت سادہ تھی۔

مغلیہ دور:

مغل شہنشاہوں، بالخصوص ظہیر الدین بابر اور اکبر نے مزار کی تزئین و آرائش میں دلچسپی لی۔

عہدِ حاضر:

موجودہ وسیع و عریض عمارت کی بڑی حد تک توسیع 1980ء کی دہائی میں کی گئی۔ اب یہ مزار ایک بہت بڑے احاطے پر مشتمل ہے جس میں ایک خوبصورت مسجد، مدرسہ، لائبریری اور لنگر خانہ شامل ہے۔

روحانی اہمیت:

داتا دربار کو لاہور کا "روحانی مرکز" سمجھا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ برصغیر کے بڑے بڑے صوفیاء، جیسے خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے بھی یہاں چلہ کشی کی خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ہی آپ کو " گنج بخش" (خزانے عطا کرنے والا) کا لقب دیا تھا۔

سماجی و ثقافتی پہلو

لنگر خانہ:

مزار کا لنگر خانہ اپنی سخاوت کے لیے مشہور ہے، جہاں روزانہ ہزاروں ضرورت مندوں اور زائرین کو مفت کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔

عرس:

ہر سال صفر کے مہینے میں آپ کا سالانہ عرس نہایت عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے، جس میں لاکھوں لوگ شرکت کرتے ہیں۔

یہ مزار نہ صرف ایک مذہبی مقام ہے بلکہ لاہور کی تاریخ اور اس کی ثقافتی شناخت کا ایک اہم ستون بھی ہے۔

2۔ بی بی پاک دامن

بی بی پاک دامن، جن کا اصل نام حضرت رقیہ بنتِ علی بتایا جاتا ہے، لاہور کے قدیم ترین اور مقدس ترین مزارات میں سے ایک ہیں۔ ان کی تاریخ عقیدت اور روایات کا ایک حسین امتزاج ہے۔

ان کی تاریخ کے حوالے سے اہم نکات درج ذیل ہیں:

تاریخی پس منظر

روایات کے مطابق، بی بی پاک دامن حضرت علی ابن ابی طالب کی صاحبزادی تھیں۔ سانحہ کربلا کے بعد، وہ دیگر خواتین کے ہمراہ تبلیغِ اسلام کی خاطر برصغیر (ہندوستان) تشریف لائیں۔ اس زمانے میں لاہور کا یہ علاقہ ہندو راجاؤں کے زیرِ اثر تھا۔

ہجرت اور قیامِ لاہور

قافلہ:

کہا جاتا ہے کہ اس قافلے میں چھ خواتین اور حضرت علی کے خاندان کے دیگر افراد شامل تھے۔

تبلیغ:

ان خواتین نے لاہور میں قیام کیا اور اسلام کی تعلیمات کو عام کیا۔ ان کے اخلاق اور پاکیزہ سیرت سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

مزار کی تسمیہ (نام کی وجہ):

بی بی پاک دامن" کا مطلب "پاکدامن خاتون" ہے۔ مقامی روایات کے مطابق، جب ایک غیر مسلم راجے نے ان خواتین کو دربار میں بلانے کی کوشش کی، تو انہوں نے دعا مانگی کہ ان کی پردہ پوشی قائم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ زمین شق ہوگئی اور یہ خواتین اس میں سما گئیں۔ اسی مناسبت سے یہ جگہ "بی بی پاک دامن" کے نام سے مشہور ہوئی۔

مزار کی اہمیت:

سلاطین کی عقیدت: برصغیر کے بڑے بڑے صوفیائے کرام، جیسے حضرت داتا گنج بخش، یہاں حاضری دیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش نے بھی یہاں چلہ کشی کی تھی۔

تعمیرات:

مزار کی موجودہ عمارت مختلف ادوار میں تعمیر اور توسیع کا عمل سے گزرتی رہی ہے۔ حال ہی میں حکومتِ پنجاب نے اس مزار کی وسیع پیمانے پر تزئین و آرائش اور توسیع کی ہے۔

3۔ میاں میر دربار

دربار حضرت میاں میر قادری (رحمتہ اللہ علیہ) لاہور کی تاریخ روحانیت، رواداری اور فنِ تعمیر کا ایک حسین امتزاج ہے۔ آپ کا دربار صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ سکھ مت اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے لیے بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

حضرت میاں میر صاحب کا مختصر تعارف:

حضرت میاں میر (1550ء–1635ء) کا اصل نام میر محمد تھا، لیکن آپ "میاں میر" کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تعلق سندھ کے علاقے سیوستان سے تھا، مگر آپ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ لاہور میں گزارا۔ آپ سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخی اہمیت اور سکھ مت سے رشتہ:

میاں میر صاحب کی شہرت ان کی عاجزی اور بلند روحانی مرتبے کی وجہ سے دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ تاریخ کے چند اہم واقعات درج ذیل ہیں:

گولڈن ٹیمپل (امرتسر) کی بنیاد: روایت ہے کہ سکھوں کے پانچویں گرو، گوروارجن دیو جی نے دربار صاحب (گولڈن ٹیمپل) کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے حضرت میاں میر کو مدعو کیا تھا۔ یہ واقعہ بین المذاہب ہم آہنگی کی ایک بہترین مثال سمجھا جاتا ہے۔

شاہی عقیدت:

مغل شہنشاہ جہانگیر اور شاہ جہاں آپ کے بے حد معتقد تھے۔ شاہ جہاں کا بڑا بیٹا داراشکوہ تو آپ کا باقاعدہ مرید تھا۔ شاہ جہاں اور داراشکوہ: جب 1635ء میں آپ کا وصال ہوا، تو آپ کی تدفین لاہور کے اس مقام پر کی گئی جہاں اب دربار موجود ہے۔ مزار کی تعمیر کا آغاز شہزادہ داراشکوہ نے کروایا تھا۔

فنِ تعمیر:

دربار کی عمارت مغلئی طرزِ تعمیر کا نمونہ ہے، جس میں سفید سنگِ مرمر کا استعمال کیا گیا ہے۔ مزار ایک اونچے چبوترے پر واقع ہے اور اس کے چاروں طرف وسیع صحن ہے۔

سکھ دور اور برطانوی عہد: رنجیت سنگھ کے دور میں بھی اس دربار کا احترام برقرار رہا، اور برطانوی عہد میں یہاں کی تزئین و آرائش پر توجہ دی گئی۔

موجودہ حیثیت:

آج یہ دربار لاہور کے علاقے ہاشم پورہ (جواب میاں میر چھاؤنی کے نام سے مشہور ہے) میں واقع ہے۔ ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں آپ کا عرس بڑے عقیدت و

احترام سے منایا جاتا ہے، جہاں دنیا بھر سے زائرین حاضری دیتے ہیں۔

4۔ مادھولعل حسین

لاہور کے باغبانپورہ میں واقع حضرت شاہ حسینؒ، جنہیں عوامی سطح پر مادھولعل حسین کے نام سے جانا جاتا ہے، کا دربار برصغیر کی صوفیانہ روایت کا ایک اہم مرکز ہے۔ ان کی تاریخ عقیدت، شاعری اور ایک خاص انسانی رشتے کے گرد گھومتی ہے۔

تاریخی پس منظر:

حضرت شاہ حسین (1538ء-1599ء) مغل بادشاہ ہمایوں اور اکبر کے دور کے ایک مشہور صوفی بزرگ اور پنجابی زبان کے مایہ ناز شاعر تھے۔ انہیں پنجابی شاعری میں کافی کی صنف کا بانی مانا جاتا ہے۔

مادھو سے نسبت:

ان کے نام کے ساتھ "مادھو" کا نام ایک برہمن نوجوان کی نسبت سے جڑا ہے، جو شاہ حسین کے مرید خاص بنے۔ ان دونوں کی گہری روحانی وابستگی کی وجہ سے انہیں "مادھولعل حسین" کہا جانے لگا۔

دربار کی تعمیر:

ان کا مزار مغل دور میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ دربار شالیمار باغ کے قریب واقع ہے، جو اس وقت کی اہم شاہراہوں کے سنگم پر تھا۔

میلہ چراغاں (عرس کی تاریخ):

مادھولعل حسین کا عرس پاکستان کے قدیم ترین ثقافتی میلوں میں سے ایک ہے، جسے میلہ چراغاں کہا جاتا ہے۔

روایت: پہلے یہ میلہ شالیمار باغ کے اندر منعقد ہوتا تھا، لیکن بعد میں اسے مزار تک محدود کر دیا گیا۔

تاریخی اہمیت:

مغل شہنشاہ جہانگیر اور شاہجہاں کے دور میں شاہی خاندان کے افراد بھی اس میلے میں شرکت کیا کرتے تھے۔

چراغاں کی وجہ:

مزار کے احاطے میں ایک بڑی الاؤ (دھونی) روشن کی جاتی ہے، جہاں زائرین اپنی منتیں پوری ہونے پر چراغ روشن کرتے ہیں۔

لاہور کے کھانے

ویسے تو لاہور باغوں کا شہر کہلاتا ہے لیکن اگر اسے کھانوں کا شہر کہیں تو غلط نہ ہوگا لاہور میں ہر وقت ہر جگہ سے ہر قسم کا کھانا میسر ہے لاہور میں دیسی ناشتے سے لے کر چائینیز اور کونٹینینٹل کھانے میسر ہے یہاں پر ریڑھی سے لے کر 5 سٹار ہوٹل سب موجود ہے

اس باب میں معذرت کے ساتھ آپ کو میں Biased نظر آؤں گا لیکن امید ہے قارین کو میری پسند ضرور اچھی لگے گی میں اس باب میں 10 کھانے کی جگہوں کا تذکرہ کروں گا۔

1۔ بھیا کباب:

ڈی بلاک ماڈل ٹاؤن میں موجود بھیا کباب نصف صدی سے موجود ہے ڈی بلاک مارکیٹ انٹر ہوتے ہی آپ کو بھیا کباب کے نام سے بہت ساری دوکانیں دیکھانے کو ملیں گی۔لیکن اصلی دکان وہی ہے جہاں پر جمیل الدین خان مرحوم کی تصویر لگی ہوئی ہے 1970ء میں جمیل الدین خان (مرحوم) نے اس کا اغاز کیا ان کے ہاں چکن بیف، مٹن کا بار بی کیو ملتا ہے لیکن ان کی مشہور زمانہ ڈش بیف کباب ہے یہ روایتی کباب سے الگ ہے یہ صرف اور صرف گوشت سے بنے ہوتے ہیں اس میں اور کوئی چیز نہیں ملی ہوتی نہ ہی پیاز نہ ہی چربی لاہور کے بڑے تاجر اور نامور سیاست دان یہاں آتے ہیں یہ پاکستان کے مشہور کرکٹر انضام الحق میاں محمود اور احسان اللہ وقاص کی پسندیدہ جگہ ہے اور مجھ ناچیز کی بھی

2۔ حاجی چرغہ

حاجی چرغہ ہاؤس مغل پورے میں واقع ہے یہ تقریباً 35 سال پرانی دکان ہے لاہور کے ہر کونے سے لوگ ادھر کھانے آتے ہیں ان کے ہاں سٹیم چکن اور مٹن جوائن ملتی ہے بظاہر تو یہاں پر صرف دو ہی آئٹم ہیں لیکن لوگ اسی کے مداح ہے ان کے ہاں جو کلونجی نان ملتا ہے لاہور میں بہت کم جگہوں سے اس معیار کا اور اس ذائقے کا نان کھانے کو ملتا ہے۔

3۔ منوسری پائے

لاہور اپنے ناشتے کی وجہ سے جانا جاتا ہے اور جب بھی ناشتے کا ذکر ہوگا تو پائے کا بھی ذکر ہوگا بہت سے لوگوں سے معلومات حاصل کر کے معلوم ہوا کہ لاہور کے سب سے بہترین سری پائے منو کے ہے دیگر شہر سے لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سنا ہے کہ یہ صرف دو گھنٹے میں پیچ کے فارغ ہو جاتا ہے منوسری سلطان پورہ روڈ مصری شاہ میں واقع ہے۔

4۔ تاج محل سویٹس

اندرون لاہور ٹکسالی گیٹ میں واقع تاج محل سویٹس لاہور کی بہترین حلوہ پوری فروش ہے دیسی گھی میں بنی یہ حلوہ پوری شہر کی باقی حلوہ پوریوں سے منفرد ہے۔

5۔ بٹ کڑاہی

لاہور میں سب سے زیادہ کھانے جانے والی کراہی بٹ کی ہے جو کے لکشمی چوک میں موجود ہے لیکن اصلی بٹ کرائی والا کون ہے یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔

6۔ حویلی ریسٹورنٹ

حویلی ریسٹورنٹ عالمی شہرت کا مالک ہے یہ فوڈ اسٹریٹ (Fort road) میں موجود ہے یہ ریسٹورنٹ پانچ منزلہ پر مبنی ہے یہ لاہور کے ابتدائی روف سٹاپ ریسٹورنٹ میں سے ہے اس کی سیٹنگ روف ٹاپ پر ہے یہ ریسٹورنٹ اپنے ویو کی وجہ سے جانا جاتا ہے اس سے بادشاہی مسجد کا وہ نظارہ جو خود بادشاہی مسجد سے بھی نہیں نظر آتا وہ دیکھنے کو ملتا ہے ان کا کھانا بھی بہترین ہے یہاں پہ ہر قسم پکوان میسر ہے عموماً اس طرح کے ریسٹورنٹ کے بارے میں مشہور ہوتا ہے اونچی دکان پھیکا پکوان لیکن یہ ان تمام اس طرح کے ریسٹورنٹ سے علیحدہ ہے۔

7۔ وارث نہاری

لاہور میں ان کی بہت سی شاخیں ہیں وارث نہاری کی ابتدا انارکلی سے ہوئی یہ لاہور کی باقی نہاریوں سے الگ اور منفرد ہے لاہور میں باقی نہاری والے بھی بہترین ہیں لیکن وارث کی ایک الگ ہی بات ہے۔

8۔ ٹرک اڈا (دُنبہ کڑاہی)

لاہور ٹرک اڈا (راوی روڈ) اپنی مخصوص اور لذیذ کڑاہی، خاص طور پر "دنبہ کڑاہی" کے لیے پورے پاکستان میں مشہور ہے۔ یہاں کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ گوشت آپ کی آنکھوں کے سامنے تازہ کاٹا اور لکڑیوں پر تیار کیا جاتا ہے وہاں پر موجود دو نمایاں نام ہیں ایک الیاس دنبہ کڑاہی اور دوسرا غنی شنواری آپ دونوں میں سے کسی کا بھی انتخاب کر سکتے ہیں دونوں ہی بہترین اور منفرد ہیں۔

9۔ باؤ سلیم مٹن چنے

میرے حساب سے لاہوریوں کا پسندیدہ ناشتہ نان چنے ہیں کیونکہ ایک تو یہ لذیذ ہوتے ہیں دوسرا جیب پہ بھی بھاری نہیں پڑتا متعدد لوگوں سے پوچھ کر یہ معلوم ہوا کہ لاہور کے بہترین چنے باؤ سلیم کے ہیں میرا یہ دعوی غلط بھی ہوسکتا ہے لیکن باؤ سلیم کے مٹن چنے زیادہ مشہور ہے باقی آپ کی مرضی ہے جو آپ کھانا چاہیں ان کی دو شاخیں ہیں ایک راوی روڈ ٹرک اڈا اور دوسری شاخ وسن پورہ میں ہے۔

10۔ جیدا لسی

جدین دور میں تو نہیں لیکن ایک وقت ایسا تھا جب لوگ جنون کی حد تک لسی پیتے تھے اور جب بھی لسی کی بات ہوگی تو عالمی شہرت یافتہ جیدا کی لسی سرفہرست ہوگی میں لسی کا شوقین تو نہیں ہوں لیکن جس سے پوچھو جیدا لسی کا ہی نام لیتا ہے جیدا اندرون کی گلیوں میں عوامی بازار میں موجود ہے۔

﴾تین دن لاہور میں﴿

اگر تین دن لاہور کا دورہ کیا جائے تو وہ تمام جگہ تو نہیں وزٹ کی جائے گی جن کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن میں آپ کو تین دن کا خاکہ بنا دیتا ہوں جس میں آپ لاہور کی مشہور اور گمنام گوشیں وزٹ کرلیں گے آپ کو بتاتا چلوں لاہور کے تمام سیاحتی اور تفریحی جگہ صبح سویرے کھلتی ہیں اور شام چار بجے سے لے کر چھ بجے کے درمیان تک بند کردی جاتی ہے تو آپ کا میں اس طرح پلان بناؤں گا کہ آپ ایک پورے دن میں متعدد مقامات وزٹ کرلیں لیکن اس میں کھانے پینے کا حساب آپ نے خود لگانا ہے کیونکہ ہر شخص کی پسند ناپسند مختلف ہوتی ہیں اور آپ لوگ پتہ نہیں لاہور کے کس کونے میں رہتے ہوں یا ٹھہرے ہو تو کھانے پینے کا تعین آپ نے خود ہی کرنا ہے

نوٹ: کوشش کرے بائک پر گھومے تاکہ وقت بھی بچے کیونکہ لاہور کے کچھ علاقوں میں پیچیدہ ٹریفک ہوتی ہے۔

1۔ پہلا دن

تفریح کا پہلا دن ایسا ہوتا ہے کہ اس میں انسان کے اندر سب سے زیادہ انرجی ہوتی ہے تو صبح سویرے آپ اٹھیں اور اٹھ بجے کمران کی 12 دری کی طرف روانہ ہو وہاں سے ہوتے ہوئے آپ نور جہاں کے مقبرہ وزٹ کریں پھر وہاں سے ہوتے ہوئے جہانگیر کا مقبرہ اور آصف خان کا مقبرہ وزٹ کریں پھر وہاں سے آپ گریٹر اقبال پارک جائیں وہاں آپ

نیشنل ہسٹری میوزیم آف پاکستان وزٹ کریں جدھر آپ لوگوں کی شہادتوں کی گواہی دیں گے پھر وہاں سے لاہور کی پہچان لاہور کی شان شاہی قلعے جائیں شاہی قلعے میں راجہ رنجیت سنگھ کا میوزیم شیش محل، موتی مسجد، نولکھا اور دیگر مقامات دیکھ کر بادشاہی مسجد جائیں ادھر قرآن گیلری تبرکات کی گیلری وزٹ کریں اور پھر حویلی ریسٹورنٹ جائیں اور کھانا اور ویو سے لطف اندوز ہوں اس طرح پہلا دن مکمل ہو جائے گا۔

2۔ دوسرا دن

پہلے دن کی طرح دوسرے دن صبح سویرے نکلے ہیں سب سے پہلے دہلی گیٹ جائیں دہلی دروازہ لاہور کا سب سے بڑا اور خوبصورت دروازہ ہے اکثر سیاح ادھر ہی کا رخ کرتے ہیں یہاں پر آپ شاہی حمام اور وزیر خان مسجد وزٹ کریں اس کے بعد گلابی باغ، دائی انگہ کے مقبرے جائیں پھر مغل شاہکار شالیمار گارڈن جائیں اس کے بعد مردان علی خان کے مقبرے کا دورہ کریں ادھر موجود سرنگ کے مانند گلی میں تصاویر کھنچوائیں پھر علامہ اقبال میوزیم وزٹ کریں شاعر مشرق کا آخری گھر دیکھیں ان کے زیر استعمال اشیاء دیکھیں۔

3۔ تیسرا دن

صبح سویرے مال روڈ کی طرف جائیں وہاں سب سے پہلے لاہور کا عجائب گھر دیکھیں عجائب گھر دیکھنے کے بعد لاہور کا چڑیا گھر دیکھیں وہاں پر موجود جانور پرندے آپ کو قدرت کے قریب لے کر جائیں گے اس کے بعد باغِ جناح وزٹ کریں وہاں سے ہوتے ہوئے ریس کورس پر جائیں جس کا موجودہ نام جیلانی پارک ہے اس طرح آپ کے تین دن مکمل ہو جائیں گے۔